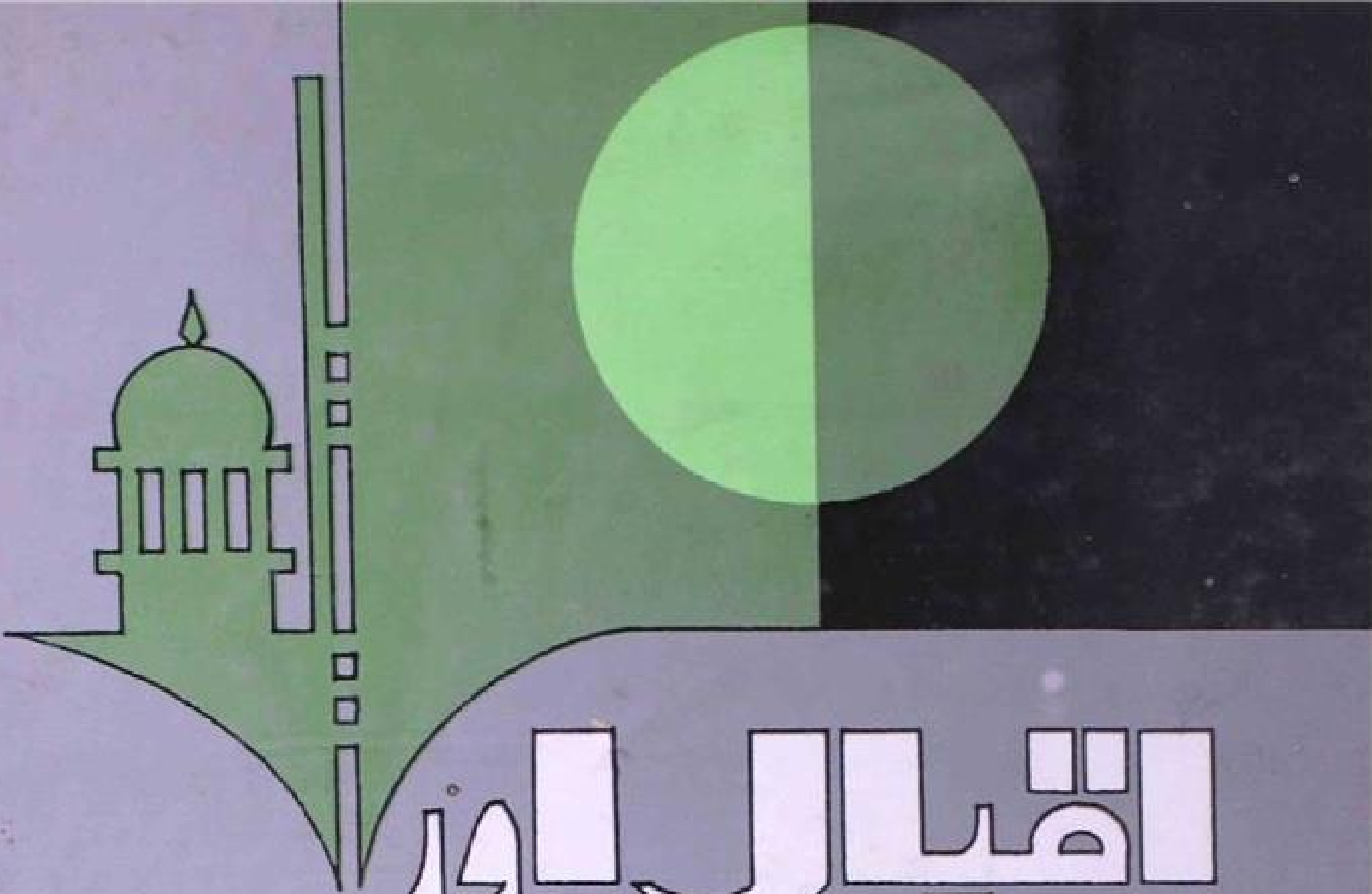

اقبال اور اسلامی معاشرہ

الطاف حسین

اقبال

اور

اسلامی معاشرہ

الطاف حسین

بزم اقبال ۲، کلب روڈ، لاہور

اقبال اور اسلامی معاشرہ

جملہ حقوق محفوظ

سال اشاعت : ۱۹۹۱ء

ناشر : ڈاکٹر وحید قریشی

اعزازی سیکرٹری

بزم اقبال ، ۲ - کلب روڈ ، لاہور

طابع :

مطبع : موڈ پرنٹرز ۔ ریٹی گن روڈ لاہور ۔

صفحات : ۱۵۲

قیمت : ۱۰۰ روپے

کمپوزنگ : دعا الفاظ گھر

7 - ڈی

فیصل ٹاؤن ، لاہور

ایک تاثر

الطاف حسین صاحب نے اقبال اور اسلامی معاشرہ کے عنوان سے یہ کتاب لکھ کر اقبالیات کی ایک بڑی کمی کو پورا کیا ہے۔ اقبال کے نظریۂ حیات اور فلسفۂ زندگی پر کتابوں کی صورت میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور آئندہ صدیوں تک لکھا جاتا رہے گا۔ اقبال کے ہاں خودی اور عشق اور تقدیر اور ملائیت وغیرہ کے تصورات پر بھی مفصل بحثیں ہوئی ہیں مگر ایک سچے اور کھرے اسلامی معاشرے کا جو معیار علامہ کے ارشادات کی روشنی میں متعین ہوتا ہے اس کی طرف اشارے تو یقیناً ہوئے ہیں مگر جس انداز سے الطاف حسین صاحب نے اسلامی معاشرے کے پورے نظام کو علامہ کے کلام کی روشنی میں دیکھا ہے، اس کی مثالیں کم ہی دستیاب ہیں۔

اپنے موضوع کو واضح کرنے کے سلسلے میں ان کا ایک اپنا انداز ہے۔ ہر باب کا عنوان معین کرنے کے بعد وہ ابتدا ہی میں اس موضوع سے متعلق علامہ کے کلام کا انتخاب درج کر دیتے ہیں اور یوں قاری کو اس تفصیل کے لیے تیار کر دیتے ہیں جو آئندہ آنے والی ہے۔ پھر ان کا استدلال بے حد زوردار اور جرأت مندانہ ہے اور میرے خیال میں تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اس استدلال کی نفی کی جا سکے۔ کہیں کہیں اختلاف کی گنجائش بھی ہے مگر یہ قطعی ضروری نہیں ہوتا کہ قاری مصنف کے ہر خیال سے متفق ہو۔ اصل بات تو مسئلہ پیش کرنے کے سلسلے میں مصنف کی دیانت ہوتی ہے۔ اور الطاف حسین کی دیانت پر انگلی نہیں دھری جا سکتی۔

علامہ کی رائے کے مطابق اسلام کا معاشی اور سیاسی نظام جس طرح مرتب ہوتا ہے، وہ میری نظر میں نہایت پسندیدہ اور مبنی برحق ہے۔ اگر ہمارے ہاں یہ معاشی نظام رائج ہو جائے تو سیاسی نظام میں خود بخود مثبت انقلاب برپا ہو سکتا ہے، مگر ہم بڑی زمینداری اور سرمایہ داری اور کٹر ملائیت اور اندھا دھند پیر پرستی میں اس بُری طرح مبتلا ہو چکے ہیں کہ جس طرح ہم نے صدیوں تک ملوکیت کو قبول کیے رکھا، حالانکہ اسلام میں ملوکیت کی کوئی دور دراز کی بھی گنجائش نہیں، اسی طرح دورِ حاضر میں ہم لوگ آمریت کی ہوا خواہی میں بھی کوئی شرم محسوس نہیں کرتے حالانکہ آمریت اسلام کے جمہوری اور مساواتی تصور کی مکمل تنسیخ کے مترادف ہے۔ الطاف حسین صاحب نے ان تمام مسائل اور ان کی جزئیات کو بے خوفی اور حوصلہ مندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ بعینہٖ دیگر مسائل کے بارے میں بھی ان کا نقطۂ نظر صحت مندانہ اور ترقی پسندانہ ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ الطاف حسین صاحب کی یہ تحریر اقبالیات میں ایک ایسا اضافہ ہے جس کے بغیر یہ موضوع نامکمل اور تشنہ رہ جاتا۔

احمد ندیم قاسمی

عرضِ ناشر

بزمِ اقبال نے پیغامِ اقبال کو پاکستان کے عام پڑھے لکھے طبقات تک پہنچانے کے لیے کئی نئے منصوبوں کی داغ بیل ڈالی ہے۔ ان میں ایک سلسلہ مطبوعات اقبال کی تحریروں کے اقتباسات کی اشاعت ہے۔ جن کا تعلق ہمارے فقہی، سماجی اور اقتصادی مسائل کے ساتھ ہے۔ دوسرا سلسلہ فکرِ اقبال کو عام فہم انداز میں بیان کر کے عصرِ حاضر کے پاکستانی مسلمانوں تک پہنچانا ہے تاکہ ان کی روشنی میں پاکستانی قوم کی تشکیلِ نو ممکن ہو۔

الطاف حسین کلامِ اقبال کے شیدائیوں میں سے ہیں۔ انہوں نے بیس بائیس سال کی شبانہ روز محنت سے کلامِ اقبال کا عطر کشید کیا ہے۔ اس سے پیغامِ اقبال کے بنیادی عناصر تک رسائی ممکن ہوگئی ہے۔ ان کے پیش کردہ بعض نتائج سے جزئی اختلاف ممکن ہے لیکن اس میں کلام نہیں کہ انہوں نے افراط و تفریط سے بچ کر اقبال فہمی کی دعوت دی ہے۔

پاکستانیت کی دریافت کے عمل میں ہم نصف صدی تک قائدِ اعظم اور علامہ اقبال کے بنیادی تصورات کی اہمیت سے یا تو غافل رہے یا ہم نے ان افکار کو خواص تک محدود کر دیا۔ یا پھر ہماری عدم توجہی کے علاوہ نیت کا فتور بھی شامل تھا کہ کثرتِ تعبیر کے ذریعے فکرِ اقبال کو غیر موثر بنا دیا گیا اور یہ طرزِ عمل ہمارے سیاسی مزاج کا حصہ بن گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اقبال کے افکار مسخ بھی ہوئے اور

ان کا کوئی مثبت اثر ملک و ملت پر مرتب نہ ہو پایا۔

الطاف حسین کی یہ کاوش شاید اس بے آب و گیاہ دھرتی پہ بارش کا پہلا قطرہ ہے جسے پیش کرنے کی سعادت بزمِ اقبال حاصل کر رہی ہے۔

وحید قریشی

اعزازی سیکرٹری بزمِ اقبال

فہرست

	صفحہ نمبر
۱ ۔ قرآن حکیم	۱۱
۲ ۔ خودی	۱۷
۳ ۔ عشق	۳۱
۴ ۔ تقدیر	۳۹
۵ ۔ تصوف	۴۷
۶ ۔ ملائیت	۵۹
۷ ۔ صلواہ و مناجات	۷۹
۸ ۔ تفرقہ و فرقہ بازی	۸۷
۹ ۔ معاشی نظام	۹۳
۱۰ ۔ سیاسی نظام	۱۰۷
۱۱ ۔ سوشلزم	۱۲۷
۱۲ ۔ مغربی تہذیب و تمدن	۱۳۱
۱۳ ۔ مقام نسواں	۱۳۹
۱۴ ۔ شعر و شاعری	۱۴۷

قرآن حکیم

نقش قرآن تا دریں عالم نشست
نقشہائے کاہن و پاپا شکست

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

مثل حق پنہان و ہم پیداست ایں
زندہ و پایندہ و گویاست ایں

اندرو تقدیر ہائے غرب و شرق
سرعت اندیشہ پیدا کن چوں برق

با مسلمان گفت جان برکف بنہ
ہرچہ از حاجت فزوں داری بدہ

آفریدی شرع و آئینے دگر !
اندکے با نور قرآنش نگر

محفل ما بے مے و بے ساقی است
ساز قرآں را نواہا باقی است

از مسلمان دیدہ ام تقلید و ظن
ہر زماں جانم بلرزد در بدن !

ترسم از روزے کہ محرومش کنند
آتش خود بر دل دیگر زنند

زندہ دل خلاق اعصار و دہور
جانش از تقلید گردد بے حضور

چوں مسلماناں اگر داری جگر
در ضمیر خویش و در قرآں نگر

صد جہان تازہ در آیات اوست
عصرہا پیچیدہ در آنات اوست

یک جہانش عصر حاضر را بس است
گیر اگر در سینہ دل معنی رس است

بندہ مومن ز آیات خدا ست
ہر جہاں اندر بر او چوں قباست

چوں کہن گردد جہانے در برش
می دہد قرآں جہانے دیگرش

لیکن وہ جہان قرآن کسی جگہ بھی جلوہ گر نہیں ہے ۔ کیوں ؟

منزل مقصود قرآں دیگر است
رسم و آئین مسلماں دیگر است

در دل او آتش سوزنده نیست مصطفےٰ در سینۂ او زندہ نیست
بندۂ مومن ز قران بر نخورد در ایاغ او نہ مے دیدم نہ دُرد
خود طلسم قیصر و کسریٰ شکست خود سر تخت ملوکیت نشست
تا نہال سلطنت قوت گرفت دین او نقش ملوکیت گرفت

از ملوکیت نگہ گردد دگر
عقل و ہوش و رسم و رہ گردد دگر

جہان قرآنی کے بنیادی اصول یا محکمات یہ تھے

بر تر از گردوں مقام آدم است
اصل تہذیب احترام آدم است

مرد و زن وابستۂ یک دیگراند
کائنات شوق را صورت گر اند

زن نگہ دارندہ نار حیات
فطرت او لوح اسرار حیات

آتش ما را بجان خود زند !
جوہر او خاک را آدم کند

در ضمیرش ممکنات زندگی !
از تب و تابش ثبات زندگی

ارج ما از ارجمند یہائے او
ما ہمہ از نقشبند یہائے او

حق ترا داد است اگر تاب نظر پاک شو قدسیّت او را نگر

-۲

بندہ حق بے نیاز از ہر مقام نے غلام او را نہ او کس را غلام

بندہ حق مرد آزاد است و بس　　ملک و آئینش خدا دادست و بس
غیر حق چوں ناہی و آمر شود　　زور در بر ناتواں قاہر شود
زیر گردوں آمری از قاہری است
آمری از ماسوااللہ کافری است

۳-

حق زمین را جز متاع ما نگفت　　ایں متاع بے بہا مفت است مفت
دہ خدایا نکتہء از من پذیر　　رزق و گور از وے بگیر او را مگیر
باطن الارض للہ ظاہر است　　ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است

۴-

گفت حکمت را خدا خیر کثیر　　ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر
علم حرف و صوت را شہپر دہد　　پاکئی گوہر بہ ناگوہر دہد

بعد ازیں علامہ سعید حلیم پاشا سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

محکماتش وا نمودی از کتاب　　ہست آں عالم ہنوز اندر حجاب
پردہ را از چہرہ نگشاید چرا　　از ضمیر ما بروں ناید چرا
پیش ما یک عالم فرسودہ ایست　　ملت اندر خاک او آسودہ ایست
رفت سوز سینۂ تاتار و کرد
یا مسلماں مرد یا قرآں بمرد

دین حق از کافری رسوا تراست　　زانکہ ملا مومن کافر گر است
از شگرفیہائے آں قرآں فروش　　دیدہ ام روح الامین را در خروش
زانسوئے گردوں دلش بیگانہء　　نزد او ام الکتاب افسانہء
بے نصیب از حکمت دین نبی　　آسمانش تیرہ از بے کوکبی
کم نگہ و کور ذوق و ہرزہ گرد　　ملت از قال و اقولش فرد فرد
مکتب و ملا و اسرار کتاب　　کور مادر زاد و نور آفتاب
دین کافر فکر و تدبیر جہاد　　دین ملا فی سبیل اللہ فساد

قرآن حکیم کے متعلق دیگر متفرق اشعار علامہ :-

چیست قرآن ؟ خواجہ را پیغام مرگ   دستگیر بندۂ بے ساز و برگ
دل بآیات مبیں دیگر بہ بند   تا بگیری عصر نو را در کمند
جز بقرآں ضیغمی روباہی است   فقر قرآں اصل شاہنشاہی است
چیست روباہی تلاش ساز و برگ   شیر مولا جوید آزادی و مرگ
سینہ ہا از گرمی قرآں تہی ! !   از چنیں مرداں چہ امید بہی
صید ملایاں و نخچیر ملوک   آہوئے اندیشۂ او لنگ و لوک

تو ہمی دانی کہ آئین تو چیست   زیر گردوں سر تمکین تو چیست
آں کتاب زندہ قرآن حکیم   حکمت او لا یزال است و قدیم
نسخۂ اسرار تکوین حیات   بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
حرف او را ریب نے، تبدیل نے   آیہ اش شرمندہ تاویل نے
پختہ تر سودائے خام از زور او !   در فتد با سنگ جام از زور او ! !
نوع انساں را پیام آخریں !   حامل او رحمۃ للعالمیں
رہزناں از حفظ او رہبر شدند   از کتابے صاحب دفتر شدند

حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے فکر کا سر چشمہ یہ ہے :

از غم پنہاں نگفتن مشکل است   بادہ در مینا نہفتن مشکل است
مسلم از سر نبی بیگانہ شد   باز ایں بیت الحرم بتخانہ شد
از منات و لات و عزیٰ و ہبل   ہر یکے دارد بتے اندر بغل
شیخ ما از برہمن کافر تر است   زانکہ او را سومنات اندر سر است
رخت ہستی از عرب بر چیدہ   در خمستان عجم خوابیدہ !
شل ز برفاب عجم اعضائے او !   سرد تر از اشک او صہبائے او
ہمچو کافر از اجل ترسندہ   سینہ اش فارغ ز قلب زندہ
نعشش از پیش طبیباں بردہ ام   در حضور مصطفیٰ آوردہ ام
مردہ بود از آب حیواں گفتمش   سرے از اسرار قرآں گفتمش
گفت بر ما بندد افسون فرنگ   ہست غوغایش ز قانون فرنگ

ذوق حق دہ ایں خطا اندیش را — اینکه نشناسد متاع خویش را
گر دلم آئینهٔ بے جوہر است — ور بحرفم غیر قرآں مضمر است
پردهٔ ناموس فکرم چاک کن — ایں خیاباں را ز خارم پاک کن
تنگ کن رخت حیات اندر برم — اہل ملت را نگهدار از شرم
خشک گرداں بادہ در انگور من — زہر ریز اندر مے کافور من!
روز محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسهٔ پا کن مرا

(رموز بیخودی --- ص ۱۶۷، ۱۶۸)

نبی کریمؐ کی زیارتِ مبارک ہو اس زمانے میں یہ بڑی سعادت کی بات ہے دوسری رؤیا کا بھی یہی مفہوم ہے۔ قرآن کثرت سے پڑھنا چاہیے تاکہ قلب محمدی نسبت پیدا کرے اس نسبت محمدیہ کی تولید کے لیے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معانی بھی آتے ہوں۔ خلوصِ دل کے ساتھ محض قرأت کافی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریمؐ زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ کرامؓ ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقاید کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہوگا۔ اس واسطے خاموش رہتا ہوں۔ (اقبال نامہ)

"علم" کے چار ذریعے ہیں اور قرآن مجید نے ان چاروں کی طرف واضح راہنمائی کی ہے۔ مسلمانوں نے ان کی تدوین کی اور دنیائے جدید اس باب میں ہمیشہ مسلمانوں کی منت کش رہے گی۔ پہلا ذریعہ "وحی" ہے اور وہ ختم ہو چکا۔ دوسرا ذریعہ "آثار قدما و تاریخ" ہے جس پر آیات قرآن متوجہ کر رہی ہیں۔ "سیروا فی الارض" اس آیت نے علم آثار کی بنیاد رکھ دی۔ جس پر مسلم مصنفین نے عالیشان قصر تعمیر کیے۔ "ذکرہم بایام اللہ" یہ آیت مجید قرآن کا ابتدائی نقطہ ہے جس نے ابن خلدون جیسے باکمال محقق پیدا کیے۔

علم کا تیسرا ذریعہ "علم النفس" ہے جس کا آغاز : "وفی انفسکم افلا تبصرون" سے ہوتا ہے اس کو حضرت جنیدؒ اور ان کے رفقا و اتباع نے کمال تک پہنچایا۔ آخری ذریعہ صحیفۂ فطرت ہے جس پر قرآن مجید کی بے شمار آیات دلالت کر رہی ہیں مثلاً "الی الارض کیف سطحت" اس علم پر علمائے اندلس نے بہت توجہ مبذول کی ۔ (ملفوظاتِ اقبال)

خودی

پیکرِ ہستی ز آثارِ خودی است
ہرچہ میبینی ز اسرارِ خودی است

سازد از خود پیکرِ اغیار را
تا فزاید لذتِ پیکار را

خیزد انگیزد پرد تابد دمد
سوزد افروزد کشد میرد دمد

وسعتِ ایام جولانگاہ او
آسماں موجے ز گردِ راہ او

چوں حیاتِ عالم از زورِ خودی است
پس بقدرِ استواری زندگی است

قطرہ چوں حرفِ خودی ازبر کند
ہستیِ بے مایہ را گوہر کند

زندگانی را بقا از مدعا است
کاروانش را درا از مدعا است

زندہ را نفئ تمنا مردہ کرد
شعلہ را نقصانِ سوز افسردہ کرد

کبک پا از شوخیء رفتار یافت
بلبل از سعئ نوا منقار یافت

علم از سامانِ حفظِ زندگی است

علم از اسباب تقویم خودی است

اے ز راز زندگی بیگانہ خیز
از شراب مقصدے مستانہ خیز

مقصدے مثل سحر تابندۂ
ماسوائے را آتش سوزندۂ

باطل دیرینہ را غارت گرے
فتنہ در جیبے سراپا محشرے

ما ز تخلیق مقاصد زندہ ایم
از شعاع آرزو تابندہ ایم

نقطۂ نورے کہ نام او خودی است
زیر خاک ما شرار زندگی است

از محبت می شود پایندہ تر
زندہ تر سوزندہ تر تابندہ تر

فطرت او آتش اندوزد ز عشق
عالم افروزی بیاموزد ز عشق

مسلماں از خودی مرد تمام است
بخاکش چوں خودی میرد غلام است

اگر خود را متاع خویش دانی
نگہ را جز بخود بستن حرام است

اسرار خودی

مسلماناں کہ خود را فاش دیدند
بہر دریا چوں گوہر آرمیدند
اگر از خود رمیدند اندریں دیر
بجان تو کہ مرگ خود خریدند

خودی را پیکرے خاکی حجاب است
طلوع او مثال آفتاب است

درون سینہ ما خاور او
فروغ خاک ما از جوہر او

مشو غافل کہ تو او را نہ بینی
چہ نادانی کہ سوے خود نہ بینی

ازاں مرگے کہ می آید چہ باک است
خودی چوں پختہ شد از مرگ پاک است

مجو پایاں کہ پایانے نداری
بپایاں تا رسی جانے نداری

تو شمشیری ز کام خود بروں آ
بروں آ از نیام خود بروں آ

نقاب از ممکنات خویش برگیر
مہ و خورشید و انجم را بہ برگیر

شب خود روشن از نور یقیں کن
ید بیضا بروں از آستیں کن

گلشن راز جدید

خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارا نہیں
تو آبجو اسے سمجھا تو کوئی چارہ نہیں

یہیں بہشت بھی ہے حور و جبرئیل بھی ہے
تری نگہ میں ابھی شوخی نظارہ نہیں

یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی

تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی

تو عرب ہو یا عجم ہو ترا لا الہ الا
لغت غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر غافل
یہی ہے تیرے لیے اب صلاح کار کی راہ

نہ ہے ستارے کی گردش نہ بازی افلاک
خودی کی موت ہے تیرا زوال نعمت و جاہ

گراں بہا ہے تو حفظ خودی سے ہے ورنہ
گہر میں آب گہر کے سوا کچھ اور نہیں

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

خودی ہو علم سے محکم تو غیرت جبریل
اگر ہو عشق سے محکم تو صور اسرافیل

نظر نہیں تو مرے حلقہ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثال تیغ اصیل

خودی کیا ہے راز درون حیات
خودی کیا ہے بیداری کائنات

خودی جلوہ سر مست خلوت پسند
سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

اندھیرے اجالے میں ہے تاب ناک
من و تو سے پیدا من و تو سے پاک

سبک اس کے ہاتھوں میں سنگ گراں
پہاڑ اس کی ضربوں سے ریگ رواں

سفر اس کا آغاز و انجام ہے
یہی اس کی تقویم کا راز ہے

خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی کے نگہباں کو ہے زہرناب
وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب

وہی ناں ہے اس کے لیے ارجمند
رہے جس سے دنیا میں گردن بلند

تری خاک اس خاکداں سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں

خودی کی یہ ہے منزل اولیں
مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں

خودی شیر مولا جہاں اس کا صید
زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید

یہ ہے مقصد گردش روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

جمال اپنا اگر خواب میں بھی تو دیکھے
ہزار ہوش سے خوشتر تری شکر خوابی

بال جبریل

اگر خواہی خدا را فاش بینی
خودی را فاش تر دیدن بیاموز

خودی روشن ز نور کبریائی است
رسائی ہائے او از نارسائی است

جدائی از مقاماتش وصال است
وصالش از مقامات جدائی است

خودی را از وجود حق وجودے
خودی را از نمود حق نمودے

علامہ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے نظریات میں خودی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور ان کے تمام تصورات اسی کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں۔ کچھ مغرب زدہ حضرات کا خیال ہے کہ حضرت علامہ نے خودی کا فلسفہ مغربی اہل فکر اور خصوصاً نطشے کے تصور حیات سے مستعار لیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا بہتان ہے جس کی جس قدر مذمت کی جائے کم ہے۔ نطشے خدا کا منکر ہے اور روحانی اور اخلاقی اقدار کا مذاق اڑاتا ہے۔ اس قوت کے پجاری اور اخلاقیات کو پس پشت ڈال کر بہیمانہ قوت سے زندگی کے تمام مسائل کا حل تجویز کرنے والے سے علامہ کے فلسفہ خودی کو کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ نطشے انہی خیالات و جذبات کی شدت کی وجہ سے یورپ کا مرد دیوانہ موسوم ہوا ہے۔ حضرت علامہ نے بھی اس کو مجذوب فرنگی کے لقب سے یاد کیا اور اس کے ہستی باری تعالیٰ کے انکار پر طنز کر کے کہا کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو اقبال خدا اور کائنات کے تعلق کی حقیقت اس پر واضح کرتا۔

علامہ کے تصور خودی کو سمجھنے میں اس وجہ سے دقت پیش آئی کہ خودی کا لفظ مدت سے تکبر اور غرور وغیرہ کے معنوں میں استعمال ہوتا آرہا تھا۔ لیکن حضرت علامہ نے خودی کا لفظ شعور ذات یا شعور شخصیت کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ خودی کا تصور مکمل طور پر قرآن حکیم کا نظریہ ہے اور اس کا کسی غیر اسلامی نظریے سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ علامہ کا تصور خودی اسلامی فلسفہ حیات کا سب سے اہم عنصر ہے جس کی انہوں نے اپنے کلام میں مختلف انداز سے وضاحت فرمائی ہے۔ جس طرح لا الہ الا اللہ قرآن عظیم کا نقطہ ماسکہ ہے اور اس کی تمام تعلیم اس انقلاب آفرین نظریہ کی تشریح و توضیح ہے اسی طرح اقبال کے جملہ تصورات ونظریات کا محور فلسفہ خودی ہے اور چونکہ خودی کی پرورش اسلامی تعلیم کا مقصود و منتہیٰ ہے اس لئے یہ تصور خودی بھی لاالہٰ کے گرد گھومتا دکھائی دیتا ہے اور خودی کی نشوونما کا انحصار اس انقلابی اعلان کو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر لاگو کرنے میں مضمر ہے جیسا کہ علامہ نے فرمایا ہے کہ:

یہ ہے مقصد گردش روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

اور خودی کی پرورش توحید کی تعلیم کو عملی جامہ پہنانے میں مضمر ہے

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ

خودی یا انسانی ذات یا پرسنیلٹی کے متعلق حضرت علامہ اقبال کے ان خیالات کی موجودگی میں بعض حضرات کی یہ رائے کہ خودی کا فلسفہ نطشے کے فلسفہ سے ماخوذ ہے سراسر گمراہ کن اور قابل مذمت ہے۔

ہمیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ زندگی کے متعلق حضرت علامہ کے جملہ تصورات و نظریات قرآن حکیم کی اساس محکم اور اس کے ابدی اور غیر متبدل اصولوں اور اقدار پر مبنی ہیں اور یہ کہنا کہ حضرت علامہ نے مغربی مفکروں کے نظریات کی خوشہ چینی کر کے اور ان پر مبنی ایک نظام حیات تعمیر کر کے مسلمان قوم کے سامنے پیش کیا ہے، ایک لایعنی اور بلادلیل مفروضہ ہے اور اس الزام اور بہتان عظیم سے چشم پوشی کرنا پرلے درجے کی کوتاہی اور فروگذاشت تصور ہو گی۔ حضرت علامہ کے مندرجہ بالا کلام کی موجودگی میں کوئی اہل علم و فکر انسان یہ الزام لگانے کی جسارت نہیں کر سکتا کہ علامہ کے نظریہ حیات کا ماخذ مغربی اہل علم کے تصورات ہیں۔

حضرت علامہ اقبال نے مثنوی رموز بیخودی میں اس امر کی نہایت سختی سے تردید فرمائی ہے کہ ان کے نظریات کی اساس مغربی اہل فکر اصحاب کے تصورات پر ہے۔ خودی انسانی ذات یا شخصیت کے ہم معنی ہے۔ انسان کو صرف اس کے خاکی جسم کے ڈھانچے سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ وہ محض گوشت اور ہڈیوں کا چلتا پھرتا مادھو نہیں ہے۔

جسم کے علاوہ انسان میں وہ شے موجود ہے جس کو ہم اس کی ذات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ وہ شے ہے جسے ہم سب "میں" کے پر معنی لفظ سے پکارتے ہیں۔ اسی کو انسانی ذات یا انا اور شخصیت کے الفاظ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ گو انسانی جسم سے خودی ماورا ہے لیکن جسم کے بغیر خودی کی نشوونما ممکن نہیں ہے۔ اس لئے خودی کی پرورش اور ارتقاء کے لئے انسانی جسم کو تندرست اور توانا رکھنا لازمی ہے جس طرح جسم کی پرورش اور اس کو صحت مند حالت میں رکھنے کے لئے حفظان صحت کے اصول اور قوانین ہیں اسی طرح خودی یا انسانی ذات کی نشوونما اور ارتقاء کے لیے زندگی پیدا کرنے والے نے قوانین وضع کئے ہیں جن

پر عمل کرنے سے ہی خودی کی پرورش اور تکمیل ہو سکتی ہے۔

قرآن حکیم نے انسان کی خودی کو نفس کا نام دیا ہے۔ یہ نفس یا خودی انسان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے غیر ترقی یافتہ شکل میں عطا ہوتی ہے اور اس کی نشوونما انسان کی ذمہ داری ہے۔ بلاشبہ انسان کے جسم کی پرورش اور نشوونما اور اس کو صحت مند رکھنے کے لئے قوانین ہیں اسی طرح انسانی خودی یا ذات کی نشوونما اور ارتقاء کے لئے بھی قوانین اور اقدار متعین کی گئی ہیں۔ یہ اقدار خودی کے خالق نے مقرر کی ہیں۔ جس کی وضاحت کتاب اللہ میں انسان کی راہنمائی کے لئے کی گئی ہے۔ اس پر مکمل طور پر عمل کرنے سے ہی انسانی ذات کی نشوونما ہو سکتی ہے۔

انسانی زندگی کے متعلق اس وقت دنیا میں دو طرح کے نظریات پائے جاتے ہیں۔ ایک تصور حیات یہ ہے کہ انسانی زندگی محض طبعی یا جسمانی زندگی ہے۔ اس کے علاوہ انسانی زندگی میں خودی یا ذات یا انا کا کوئی وجود نہیں ہے یہ محض خیالی تصورات اور توہمات کے ذریعے بھی آتے ہیں۔ اس کے بغیر حیات کو مادی نظریہ زندگی سے موسوم کیا جاتا ہے اور یورپ کے اکثر مفکر اور دوسرے لوگ اسی تصور کے قائل ہیں۔ اس مادی نظریۂ حیات کے قائل لوگ نہ تو ہستی باری تعالیٰ کو تسلیم کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی وحی کے ذریعے کسی قسم کے احکامات اور ہدایت پر عمل کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ زندگی کے تمام مسائل کا حل انسانی عقل کر سکتی ہے۔ ایسے لوگوں کا معیار خیر و شر بھی لا محالہ خود ساختہ ہوتا ہے۔

ان کے نزدیک انسان کے وضع کردہ قوانین اور اقدار سے بالا کوئی قانون نہیں ہے۔ زندگی کا مقصد انسانی جذبات کی تسکین اور حصول خوشی و مسرت ہے۔ اسلام زندگی کے اس مادی نظریہ کو کفر سے تعبیر کرتا ہے۔ اور اس کے برعکس زندگی کا دوسرا تصور دیتا ہے کہ انسان کی زندگی محض اس کے جسم سے وابستہ نہیں ہے۔ جسم کے علاوہ ہر انسان میں ایک دوسری شے بھی ہے جس کو انسانی ذات خودی، انا یا سلف اور شخصیت جیسے الفاظ سے پکارا جاتا ہے۔ اس کی پرورش اور نشوونما ان قوانین اور قاعدوں کے مطابق نہیں ہوتی جو جسم کی نشوونما کے لئے متعین ہیں۔ اس کی تربیت اور نشوونما ان اصولوں اور قدروں کے ذریعے ہوتی ہے جن پر عمل سے خودی یا انسانی ذات زندہ جاوید ہو جاتی ہے اور جسم کی موت سے اس کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ وہ موت کے بعد بھی زندہ رہتی ہے اور ارتقاء کی منازل طے کرتی رہتی ہے۔

خودی احسن طریقے سے نشوونما کر کے اس دنیاوی زندگی میں انسان سر بلندیوں اور زندگی کی شادکامیوں اور کامرانیوں سے سرفراز ہوتا ہے اور جسمانی موت کے بعد بھی ارتقائی

منازل طے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے ۔ یہ عمل ان قوانین کی اطاعت سے ظہور پذیر ہوتا ہے جو خالق خودی نے اس کے لئے مقرر کئے ہیں ۔ لہذا خودی کا اقرار اور اس کی نشوو نما احکام خداوندی کے تحت اسلام کی تعلیم کا مقصد اولیٰ ہے ۔ اندریں حالات علامہ اقبال کا تصور خودی عین قرآن عظیم کے احکام کی اساس پر مبنی ہے اور اس کا کسی مغربی یا دوسرے تصور حیات سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ یہ خالصتاً اسلام کا نظریہ ہے ۔ قرآن حکیم کی سورہ الشمس میں فرمان اللہ تعالیٰ ہے کہ وہ شخص فلاح یاب یا بامراد ہوا جس نے اپنے نفس کو سنوارا اور وہ ناکام اور نامراد ہوا جس نے اس کو بگاڑا ۔ انسانی نفس یا خودی کی فلاح احکام الہی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے ہوتی ہے اور اس کا بگاڑ اور نامرادی ان احکام سے سرکشی اور انحراف کا نتیجہ ہوتی ہے ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ۔ لقد کرمنا بنی آدم

یعنی ہم نے ہر انسان کو واجب التکریم بنایا ہے ۔ لہذا کسی شخص کو اس کا قطعاً حق نہیں ہے کہ وہ انسان کو اپنا محکوم اور غلام بنا کر تذلیل انسانیت کا مرتکب ہو اور اس کو شرف انسانی سے محروم کرے ۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ :

برتر از گردوں مقام آدم است
اصل تہذیب احترام آدم است

خودی کی نشوونما ایسے ماحول میں ہو سکتی ہے جو ہر قسم کے خوف و حزن سے پاک ہو اور اطاعت اور محکومی صرف اللہ تعالیٰ یعنی اس کے احکام اور قدروں کی ہو اور اگر کوئی مستبد انسان دوسروں کو اپنی غلامی اور محکومی اختیار کرنے پر مجبور کرے تو اس کے خلاف علم جہاد بلند کیا جائے اور اس کی جگہ اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کی جائے تاکہ صحیح اسلامی معاشرہ وجود میں لایا جاسکے ۔ جس میں افراد کو اپنی خودی یا ذات کی مکمل طور پر نشوونما کے مواقع حاصل ہوں اور خودی کی تکمیل سے افراد ملت جاودانی زندگی کے وارث بن کر دنیا اور آخرت کی کامرانیوں اور شادابیوں سے سرفراز ہو سکیں ۔

خالق حقیقی نے انسانی خودی ہر انسان کو غیر ترقی یافتہ شکل میں یکساں طور پر عطا کی ہے اس کی نشوونما اللہ تعالیٰ کے متعینہ طریقے سے کرنا انسان کی ذمہ داری ہے اور اس کو ترقی یافتہ بنانا انسانی فریضہ ہے ۔ یہی روحانیت ہے اور حیات انسانی کا مقصد اور اس کی منزل ہے ۔ خودی یا انسانی ذات کی نشوونما جہد مسلسل اور مستقل اقدار پر عمل سے سرانجام پاتی ہے ۔ لیکن انسان کے جسم کے تقاضے اور ضروریات اور خودی کی ارتقاء کے طور طریقے جب متصادم ہوں تو اقدار

کی حفاظت کی خاطر جسمانی تقاضوں کو پس پشت ڈال کر اپنا سب کچھ قربان کر دیتے ہے۔ انسانی ذات یا خودی اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے اور لازوال اور زندہ جاوید ہو جاتی ہے علامہ فرماتے ہیں کہ :-

ازاں مرگے کہ می آید چہ باک است
خودی چوں پختہ شد از مرگ پاک است

جب انسان اللہ تعالیٰ کے قوانین کا پورے طور پر اتباع کرتا ہے تو اس کا نفس یا خودی پست جذبات و خواہشات پر غالب آجاتی ہے اور وہ جنت کا وارث بن جاتا ہے اسی کو اللہ تعالیٰ نے نفس مطمئنہ سے تعبیر کیا ہے

سورہ فجر میں نفس مطمئنہ کو ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ میرے جوار رحمت میں میرے خاص بندوں کے ساتھ شامل ہو کر میری جنت میں داخل ہو جا۔ ظاہر ہے کہ یہ انعام ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اعمال صالح سے اپنی خودی یا نفس کو جنت کا حقدار بنایا۔

سورہ الشمس کی آیت ۱۰ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفس یا ذات کو سنوارا اور درست بنایا اور پھر بذریعہ وحی اس کو نیک و بد سے آگاہ کیا اور جس نے اپنے نفس کو اعمال صالح سے پاک کر لیا وہ کامیاب و سرفراز ہوا اور جس نے اس کو بد اعمالی سے بگاڑا وہ تباہ و برباد اور نامراد ہوا۔

قرآن حکیم کا مقصد اس معاشرے کی تشکیل ہے۔ جس میں کوئی فرد دوسرے کا غلام اور دست نگر نہ ہو اور ہر ایک انسان کو اپنی ذاتی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے پورے پورے مواقع میسر ہوں۔ اور معاشرہ ہر قسم کے خوف و ہراس کی مکدر فضا سے پاک ہو۔ ایسا معاشرہ اسلام کی تعلیم پر عمل کرنے سے ہی قائم ہو سکتا ہے اور ایسی فضا میں ہی انسانی ذات یا خودی کی نشوونما ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ خودی کی نشوونما اور ارتقاء کا انحصار جدوجہد اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ صراط مستقیم کی راہ میں مزاحم طاقتوں سے جہاد پر ہے۔ اس عمل میں تیزی اور تندی اور استقامت مہمیز عشق سے پیدا ہوتی ہے۔ حضرت علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ:

نقطہ نورے کہ نام او خودی است
زیر خاک ما شرار زندگی است

از محبت می شود پائندہ تر
زندہ تر سوزندہ تر تابندہ تر

فطرت او آتش اندوزد ز عشق
عالم افروزی بیاموزد ز عشق

یہ وہ عشق ہے جس کا دنیا کے لوگوں نے پہلی دفعہ امام الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ حسنہ میں مشاہدہ کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس معاشرے کے فرد تھے جس کا بچہ بچہ بتوں کی پرستش و عبادت میں مبتلا تھا۔ حاکم اور محکوم سب کٹر قسم کے بت پرست تھے اور بتوں کی پوجا کو اپنی فلاح و بہبود کا ذریعہ تصور کرتے تھے۔ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ماں باپ اور خاندان کے دیگر افراد اسی بت پرستی کے علمبردار تھے۔ اس معاشرے میں صرف ایک ہستی تھی جو بتوں اور ان سے منسوب ہر قسم کی توہم پرستیوں سے بیزار تھی۔ یہ ذات گرامی قدر اور لائق ہزار تحسین حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ وہ لوگوں کو بت پرستی کے بے کار اور لا حاصل عمل سے اجتناب کرنے کی تلقین فرماتے

ایک دن امام المجاہدین اللہ کا نام لے کر اٹھتے ہیں ہاتھ میں کلہاڑا ہے اور قوم کے بت خانہ میں داخل ہو کر بتوں کے مجسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین بوس کر دیتے ہیں۔ لیکن بت خانے کے سب سے بڑے بت کو اس کی اصل حالت میں چھوڑ کر واپس لوٹ آتے ہیں۔ صبح ہوتے ہی کہرام مچ جاتا ہے اور حکومت کے کارندے اور عوام بتوں کی تباہی کے ذمہ دار کی نشاندہی اور حراست کے لئے بھاگ دوڑ شروع کر دیتے ہیں۔ اکثر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس تباہی کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ چونکہ وہ اکثر بتوں کی مذمت کرتے اور انکی پرستش کے احمقانہ فعل سے روکتے تھے۔ چنانچہ حکومت وقت نے دنیائے تاریخ کے اولین مجاہد اعظم ابراہیم علیہ السلام کو حراست میں لے لیا۔ لوگوں کی آتش انتقام کو فرو کرنے کے لئے حضرت ابراہم علیہ السلام کے زندہ جلانے کا فیصلہ کرلیا۔ لیکن احکم الحاکمین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کر کے ان سے لوگوں کی فلاح و بہبود کا کام لینا تھا۔ ان کو بکمال حفاظت نکال کر محفوظ مقام پر پہنچا دیا۔ وطن کو گھر کو ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کو ہمیشہ کے لئے چھوڑا اور جاتے وقت اپنے باپ سے یہ بھی فرمایا کہ میرا تمہارے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ جب تک آپ بت پرستی ترک کر کے خدائے واحد پر ایمان نہیں لاتے۔ یہ ہے خودی یا انسانی ذات کے استحکام وارتقاء کے لئے اسوہ حسنہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آنے والی نسلوں کے لئے پیش کیا۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ نے بار بار سراہا ہے اور یہ ہے عشق یا ایمان محکم کی سچی کہانی اور یہ وہ مثالی کردار ہے جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے بھی فخر محسوس کیا۔ اور فرمایا کہ ہم تو دین ابراہیم کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت

ابراہیم علیہ السلام کو ان کے اوصاف حمیدہ اور اسوہ حسنہ پر قرآن حکیم میں کئی مقامات پر تحسین و آفرین کے نہایت دلکش اور خوبصورت کلمات سے نوازا ہے۔ اور ان کے اعلیٰ اخلاق و کردار کو مثالی قرار دیا ہے۔

حضرت علامہ نے خودی کی پرورش اور ارتقاء کے لئے مختلف عوامل کا ذکر کیا ہے۔ ذیل میں متعلقہ اشعار درج کئے جاتے ہیں:

مقصد و مدعائے حیات

زندگانی را بقا از مدعا است
کاروانش را درا از مدعا است

قطرہ چوں حرف خودی ازبر کند
ہستی بے مایہ را گوہر کند

زندہ را نفی ء تمنا مردہ کرد
شعلہ را نقصان سوز افسردہ کرد

اے ز راز زندگی بے گانہ خیز
از شراب مقصدے مستانہ خیز

مقصدے مثل سحر تابندہء
ماسوا را آتش سوزندہء

باطل دیرینہ را غارت گرے
فتنہ در جیبے سراپا محشرے

ما ز تخلیق مقاصد زندہ ایم
از شعاع آرزو تابندہ ایم

علم

علم از سامان حفظ زندگی است
علم از اسباب تقویم خودی است

- - - - - - - -

خودی ہو علم سے محکم تو غیرت جبریل
اگر ہو عشق سے محکم تو صور اسرافیل

عشق

نقطہ نورے کہ نام او خودی است
زیر خاک ما شرار زندگی است

از محبت می شود پایندہ تر
زندہ تر سوزندہ تر تابندہ تر

فطرت او آتش اندوزد ز عشق
عالم افروزی بیاموزد ز عشق

نان حلال

خودی کے نگہباں کو ہے زہرناب
وہ ناں جس سے جاتی رہے اسکی آب

وہی ناں ہے اس کے لیے ارجمند
رہے جس سے دنیا میں گردن بلند

مقصد حیات

یہ ہے مقصد گردش روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

عشق

علامہ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے عشق کے متعلق وضاحتی اشعار:

بے جرات رندانہ ہر عشق ہے روباہی — بازو ہے قوی جس کا وہ عشق یداللہی
جو سختی منزل کو سامان سفر سمجھے — اے وائے تن آسانی ناپید ہے وہ راہی

عقل و دل و نگہ کا مرشد اولیں ہے عشق — عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

لیکن:

قافلہ حجاز میں ایک حسین (عاشق) بھی نہیں — گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

دانش و دیں و علم و فن بندگی ہوس تمام — عشق گرہ کشائے کا فیض نہیں ہے عام ابھی
جوہرزندگی ہے عشق، جوہر عشق ہے خودی — آہ کہ ہے یہ تیغ تیز پردگی ء نیام ابھی
کبھی آوارہ و بے خانماں عشق — کبھی شاہ شہاں نوشیرواں عشق
کبھی میداں میں آتا ہے زرہ پوش — کبھی عریاں و بے تیغ و سناں عشق
کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق — کبھی سوز و سرور انجمن عشق
کبھی سرمایہ ء محراب و منبر — کبھی مولا علی خیبر شکن عشق

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے — عشق بیچارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم
عیش منزل ہے غریبان محبت پہ حرام — سب مسافر ہیں بظاہر نظر آتے ہیں مقیم
مرد درویش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ — ہے کسی اور کی خاطر یہ نصاب زر و سیم

نگہ عشق دل زندہ کی تلاش میں ہے
شکار مردہ سزاوار شاہباز نہیں
ہوئی نہ عام جہاں میں کبھی حکومت عشق
سبب یہ ہے کہ محبت زمانہ ساز نہیں

کھول کے کیا بیاں کروں سر مقام مرگ و عشق
عشق ہے مرگ با شرف مرگ حیات بے شرف
صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سربکف

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق
اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مرد مسلماں بھی کافر و زندیق

نگہ گرم کہ شیروں کے جس سے ہوش اڑ جائیں
نہ آہ سرد کہ ہے گوسفندی و میشی
طبیب عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا
ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے نیشی

شیر مردوں سے ہوا بیشہء تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی
عشق کی تیغ جگردار اڑالی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

ضرب کلیم و بال جبریل

حضرت علامہ کے دیگر متفرق اشعار بسلسلہ تشریح عشق:

طبع مسلم از محبت قاہر است
مسلم ار عاشق نہ باشد کافر است
ز رسم و رہ شریعت نکردہ ام تحقیق
جز ایں کہ منکر عشق است کافر و زندیق

عاشقی توحید را بر دل زدن
وانگہے خود را بہر مشکل زدن

در غلامی عشق جز گفتار نیست
کار ما گفتار ما را یار نیست
دین و دانش را غلام ارزاں دہد
تا بدن را زندہ دارد جاں دہد
گرچہ بر لب ہائے او نام خداست
قبلہ او طاقت فرمانرواست
ایں صنم تا سجدہ اش کردی خداست
چوں یکے اندر قیام آئی فناست
آں خدا نانے دہد جانے دہد
ایں خدا جانے برد نانے دہد

با سلاطین درفتد مرد فقیر
از شکوہ بوریا لرزد سریر
از جنوں می افگند ہوئے بہ شہر
وا رہاند خلق را از جبر و قہر
فقر قرآں احتساب ہست و بود
نے رباب و مستی و رقص و سرود
فقر کافر خلوت دشت و در است
فقر مومن لرزہ بحر و بر است
زندگی آں را سکون غار و کوہ
زندگی ایں را ز مرگ با شکوہ
فقر عریاں گرمی بدر و حنین
فقر عریاں بانگ تکبیر حسین
فقر را تا ذوق عریانی نہ ماند
آں جلال اندر مسلمانی نماند
وائے ما اے وائے ایں دیر کہن
تیغ لا در کف نہ تو داری نہ من
دل زغیر اللہ بہ پرداز اے جواں
ایں جہان کہنہ در باز اے جواں
تاکجا بے غیرت دیں زیستن
اے مسلماں مردن است ایں زیستن

عشق اگر فرماں دہد از جان شیریں ہم گذر
عشق محبوب است مقصود است جاں مقصود نے

اے خوشا مردے کہ دل باکس نداد بند غیر اللہ را از پا کشاد

مرد حر از لاالہ روشن ضمیر می نہ گردد بندہ سلطان و میر
پادشاہاں در قبابائے حریر زرد رو از سہم آں عریاں فقیر

ز آستانہ سلطاں کنارہ میگیرم نہ کافرم کہ پرستم خدائے بے توفیق

حضرت علامہ محمد اقبال نے اپنے کلام میں اسلام کے مرکزی اور انقلابی عقیدہ توحید کی حفاظت اور عملی زندگی میں انقلاب لانے کے لئے عشق کا کثرت سے ذکر کیا ہے۔ اور اس کی اہمیت اور حقیقت کی مختلف انداز سے تشریح کی ہے تاکہ جذبہ عشق مسلم قوم اور خاص کر نوجوانوں کے رگ و پے میں پوری طرح سرایت کر جائے اور وہ ایمان کی بے پناہ قوت سے جو یہ جذبہ پیدا کرتا ہے، مسلح ہو کر اسلام کی نشاہ ثانیہ کا قیام کامیابی کے ساتھ کر سکیں۔ علامہ نے اپنے کلام حقیقت افروز میں مومن کو مختلف ناموں سے موسوم کیا ہے، مرد فقیر، مرد حر بندہ حق، صاحب جنون، ذو فنوں، مرد سپاہی، وارث لاالہ، بندہ مولا صفات، مرد آفاق یہ سب مومن کے اسمائے گرامی ہیں۔ اور ان سب کی قدر مشترک عشق ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ:۔

طبع مسلم از محبت قاہراست مسلم ار عاشق نباشد کافراست

حضرت علامہ کا مندرجہ بالا کلام عشق کے حقیقی مطلب اور مفہوم و مقصد پر کما حقہ روشنی ڈالنے کے لئے اکتفا کرتا ہے۔ عشق کے لوازمات اور عناصر ترکیبی کی تشریح میں کوئی کسر باقی اٹھا نہیں رکھی گئی اور تمثیلوں اور استعاروں سے بالکل واضح کر دیا ہے کہ عشق کسے کہتے ہیں۔

علامہ نے ان اشعار میں جذبہ عشق سے سرشار مرد مسلمان کی جیتی جاگتی تصویر کشی کی ہے اس کو ہاتھ میں تلوار اٹھانے اور ایمان کی قوت سے منور قلب کے ساتھ میدان کارزار میں باطل کے خلاف جہاد کا فریضہ ادا کرتے دکھایا ہے جو ان کی فصاحت و بلاغت کا کمال ہے۔ ان اشعار کے سرسری مطالعے سے بھی عشق کا اصل مفہوم واضح ہو جاتا ہے اور جن معنوں میں حضرت علامہ نے لفظ عشق کو استعمال کیا ہے، ان کو دوسرے کسی قسم کے معنے پہنانے کی قطعاً گنجائش

باقی نہیں رہتی۔ یہ وہ جذبہ صادق ہے جس کی پیروی کرتے ہوئے حضرت امام الشہدا حضرت حسین نے اسلام کی اقدار کی حفاظت کے لئے اپنی اور اپنے خاندان کی جانیں اور سب کچھ قربان کر دیا اور اس طرح حیات ابدی اور فردوس بریں کے وارث ہوئے جس کی نعمتوں اور برکات کے سامنے اس دنیا کی نعمتیں ہیچ ہیں۔ یہ ہے وہ جذبہ عشق جس سے حضرت علامہ جوانان قوم کو سرشار و سرمست کرنے کے آرزو مند ہیں تاکہ بوقت ضرورت دین حق کی حفاظت کی خاطر اپنا سب کچھ لٹانے اور جان عزیز تک کا ہدیہ خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ عالی میں پیش کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہیں تاکہ غیر اسلامی اقدار اور اصولوں کو پنپنے کا موقع میسر نہ ہو سکے اور ملک میں دین متین کی حکومت اور معاشرے میں جملہ افراد ملت ہر قسم کے خوف و ہراس اور غم و اندوہ سے آزاد ہو کر زندگی بسر کر سکیں۔

عشق مومن کو ہر قسم کے اندیشہ خوف و خطر سے آزاد کر دیتا ہے اور وہ ظلم و استبداد اور ہر قسم کے استحصال کو ختم کرنے کے لئے ہر وقت کمر بستہ رہتا ہے اور بڑے سے بڑے آمریت اور ملوکیت کے علمبرداروں کے ظلم و ستم سے لوگوں کو محفوظ کرنے کے لئے ان سے ٹکر لینے کے لئے تیغ بکف آمادہ جہاد ہوتا ہے اور موت کا خوف اس کے دل سے نکل جاتا ہے۔ وہ موت کو ہلاکت نہیں سمجھتا بلکہ خدا کی راہ میں جام شہادت نوش کرنے کو فلاح دارین اور سب سے بڑی کامیابی اور سرفرازی تصور کرتا ہے۔ حضرت علامہ نے سید الشہدا حضرت امام حسین کو امام عاشقاں کہا ہے اور ان کو نوجوانوں کے سامنے بطور نمونہ پیش کیا ہے۔
حضرت امام حسین کے متعلق فرماتے ہیں کہ!

آں امام عاشقاں پور بتول ۔۔۔ سرو آزادے ز بستان رسول
سرخرو عشق غیور از خون او ۔۔۔ شوخی ایں مصرعہ از مضمون او
تا قیامت قطع استبداد کرد ۔۔۔ موج خون او چمن ایجاد کرد
بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است ۔۔۔ پس بنائے لاالہ گردیدہ است
رمز قرآں از حسین آموختیم ۔۔۔ زآتش او شعلہ ہا اندوختیم

حضرت علامہ نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح پاک پر عقیدت و تحسین کے گلہائے رنگا رنگ نچھاور کئے ہیں اور ان کی شہادت عظمیٰ کو دین حق کے قیام کی اساس قرار دیا ہے۔

خواجہ غریب نواز نے بھی حضرت حسین کی عظیم الشان شہادت کو ان خوبصورت الفاظ میں

بیان فرمایا ہے:-

شاہ است حسین بادشاہ است حسین دین است حسین دین پناہ است حسین
سر داد نہ داد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لاالہ است حسین

حضرت حسین نے یزید کے خلاف علم جہاد کو اس لئے بلند کیا کہ اس کی ولیعہدی اور تقرری بطور خلیفہ نے ملوکیت اور موروثی حق حکومت کے غیر اسلامی فتنوں کے دروازے کھول دیئے جس کا خمیازہ ملت اسلامیہ اب تک بھگت رہی ہے۔ یزید کی خلافت سے ملوکیت کا آغاز ہوا اور یہ لعنت اب تقریباً تمام مسلم ممالک میں اپنے طاغوتی پنجے جمائے ہوئے ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ:-

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

اس لئے اگر مسلمان حضرت حسین کے اسوہ پر عمل کرتا تو مسلم ممالک سے ملوکیت اور آمریت کے غیر اسلامی نظاموں کا خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ لیکن ملوکیت جسکو علامہ نے حرام قرار دیا ہے کے جبر و استبداد سے ملت اسلامیہ پر ایسا جمود و سکون طاری ہوا کہ وہ جذبہ جہاد سے بالکل عاری ہو گئی اور ہمارے مذہبی راہنما جو خود ملوکیت کے دور کی پیداوار ہیں، نے اس غیر اسلامی نظام سیاست کے حق میں من گھڑت فتاویٰ سے اس کے جواز پر عوام الناس کو بھی رضا مند کر دیا اور وہ مطلق العنان بادشاہوں کو مامور من اللہ تصور کر کے ان کے ظلم و استبداد کو رضائے الٰہی سمجھ کر برداشت کرتے رہے۔ ہمارے علماء ان بادشاہوں کو ظل اللہ اور طرح طرح کے القاب سے یاد کرتے اور جمعہ کے خطاب میں ان کے ناموں کا ورد ہوتا جس سے ملوکیت اور آمریت کو استحکام ملا اس کی ابتداء یزید اول کے دور سے ہوئی اور مذہبی پیشوائیت کی تائید اور تعاون سے اب تک تقریباً تمام مسلم ممالک میں قائم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ:-

قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

اس لیے حضرت علامہ خواتین کو تلقین کرتے ہیں کہ:-

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر کہ در آغوش شبیرے بگیری

چونکہ اسلام کا احیا جذبہ جہاد پر منحصر ہے جس کا مظہر اول حضرت حسین ہیں علامہ فرماتے

ہیں کہ:۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستان حرم   نہایت اس کی حسین ابتداء ہے اسماعیل

لیکن مسلمان اس حقیقت کو صدیوں سے بھلا چکا ہے اور خدا کی راہ میں جان دینے سے دور بھاگتا ہے اور موت کے خوف سے ہر وقت ترساں اور لرزاں رہتا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے کہ مومن کی جان اور مال کو خدا نے جنت یا جنتی زندگی کے عوض خرید لیا ہے۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ جنت کے وارث اور حقدار وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو دین حق کی حفاظت اور اس کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اور بوقت ضرورت اپنی جان تک بھی جہاد فی سبیل اللہ میں قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ یہی وہ عشق یا جذبہ جہاد ہے جس کا ذکر علامہ نے اپنے کلام میں کیا ہے انہوں نے انہی معنوں میں لفظ عشق استعمال کیا ہے اس کا ہر گز ہر گز وہ مطلب نہیں جس کا ذکر ہمارے گل و بلبل کے شعرا حضرات نے اپنے کلیات یا دیوانوں میں کیا ہے۔ یہ وہ محبت بھی نہیں جو شوہر کو اپنی بیوی سے، ماں کو اپنی اولاد سے اور بھائی بہنوں کے درمیان پائی جاتی ہے اور نہ ہی یہ وہ محبت ہے جس کا اظہار ایک عاشق مزاج شخص اپنی محبوبہ سے کرتا ہے۔ یہ وہ عشق و محبت نہیں جو رانجھا کو ہیر، مجنوں کو لیلیٰ اور پنوں کو سسی سے ان کے مشہور قصوں میں بیان کی گئی ہے۔ علامہ کے نزدیک عشق کا مطلب متواتر حرکت اور جدوجہد کرکے خدا کی حاکمیت قائم کرنے کا شدید جذبہ ہے۔ اسی جذبہ عشق سے سرشار ہو کر دین کی حفاظت اور نظام اسلام کے نفاذ کا اہتمام کیا جا سکتا ہے۔ اور اس کے بغیر دین ایک کھوکھلا وعظ بن جاتا ہے۔

وہ عشق یہ ہے:

صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

حضرت علامہ فرماتے ہیں کہ عشق یا جذبہ جہاد کے بغیر دین تصورات کا حیرت خانہ یا تبکدہ بن کے رہ جاتا ہے:

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بتکدۂ تصورات

حضرت علامہ خانقاہی سلسلے کو چھوڑ کر امام الشہدا اور انقلاب پسندوں کے شہنشاہ حضرت حسین کی رسم شبیری پر عمل کی تلقین فرماتے تھے کیوں نہ اسی میں ملت کی زندگی کا راز ہے:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

ترے دین و ادب سے آرہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری

تقدیر

پابندی تقدیر کہ پابندی احکام
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مرد خردمند

اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
ہے اس کا مقلد کبھی ناخوش کبھی خورسند

تقدیر کے پابند جمادات و نباتات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلمان
مومن ہے تو خود آپ ہے تقدیر الٰہی

میں نے تو کیا پردہ تقدیر کو بھی چاک
دیرینہ ہے تیرا مرض کور نگاہی

تن بہ تقدیر ہے آج ان کے عمل کا انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر

تیرا زمانہ ہے تاثیر تیری
ناداں نہیں یہ تاثیر افلاک

تو اپنی سر نوشت اب اپنے قلم سے لکھ
خالی رکھی ہے خامہ حق نے تری جبیں

راز ہے راز ہے تقدیر جہان تگ و تاز
جوش کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز

صف جنگاہ میں مردان خدا کی تکبیر
جوش کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز

ندرت فکر و عمل سے معجزات زندگی
ندرت فکر و عمل سے سنگ خارا لعل ناب

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

گر ز یک تقدیر خون گردد جگر
خواہ از حق حکم تقدیر دگر

تو اگر تقدیر نو خواہی روا ست
زانکہ تقدیرات حق لا انتہا ست

ارضیاں نقد خودی در باختند
نکتہء تقدیر را نشناختند

رمز باریکش بہ حرفے مضمر است
تو اگر دیگر شوی او دیگراست

خاک شو نذر ہوا سازد ترا
سنگ شو بر شیشہ اندازد ترا

شبنمی افتندگی تقدیر تست
قلزمی پایندگی تقدیر تست

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے

عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں
ناداں جسے کہتے ہیں تقدیر کا زندانی

حضرت علامہ اقبال نے مسلمانوں میں مروجہ غیر اسلامی تصورات و نظریات پر سیر حاصل بحث فرمائی اور جو نظریات ملت مرحومہ کی زبوں حالی کا باعث ثابت ہوئے ۔ ان کی شدید مذمت اور تردید کی ہے اور اس سلسلے میں تنگ نظر ملاؤں کی جانب سے جاری کردہ تصورات کو ہدف تنقید بنایا ہے اور ملت اسلامیہ کو ان کو ترک کرنے کی نہایت خلوص اور دردمندی سے اپیل کی ہے ۔ حضرت علامہ نے اپنے مندرجہ بالا بصیرت افروز اشعار میں مسئلہ تقدیر کی وضاحت نہایت دل پذیر انداز سے کی ہے ۔ نوشتہ تقدیر یا قسمت کے عقیدے نے مسلمان قوم کے عمل کی صلاحیتوں کو مفلوج کرکے اس کو ناکارہ محض بنا دیا ہے اور اس سے قوت سعی و عمل چھین لی اور اس کو محض چند رسمی عبادات کے ذریعے مقصد حیات حاصل کرنیکے غلط تصور میں مبتلا کر دیا اور وہ خدا کے اس فرمان کو بالکل بھول گئی کہ انسان کوشش و عمل کے بغیر کچھ بھی پا نہیں سکتا ۔ ایک کامیاب اور بامراد زندگی بسر کرنے کے لئے احکام الہی کی پر خلوص اور مکمل اطاعت ضروری

ہے علامہ فرماتے ہیں:۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

احکام خداوندی کی اطاعت کے بغیر محض رسمی عبادات کی ادائیگی سے دین و دنیا کی نعمتیں، کامرانیاں اور سر بلندیاں حاصل کر لینا خیال خام اور پرلے درجے کی خود فریبی ہے یہ مقصد ایمان و عمل جس کی اللہ تعالیٰ نے بار بار تاکید فرمائی اس کے بغیر قطعاً حاصل نہیں ہو سکتا۔ عمل کے بغیر ایمان کچھ معنی نہیں۔ علامہ فرماتے ہیں کہ:۔

مردہ آں ایماں کہ ناید در عمل

ایک معمولی عقل کا انسان بھی اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ کوشش و عمل لاحاصل ہیں۔ اور انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جو اس کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔ اگر یہ مفروضہ صحیح مان لیا جائے تو دین کے اوامر و نواہی بلکہ خود دین کی کوئی ضرورت نہیں رہتی اور جزا و سزا کا عقیدہ بھی نعوذ باللہ باطل اور لایعنی ہو جاتا ہے اور انسان محض ایک مجبور و لاچار ہستی بن کر رہ جاتا ہے۔

بتام افسوس ہے کہ اس غیر منطقی اور بے جان عقیدہ کو مسلمانوں نے ایک اٹل اور غیر متبدل قانون کی طرح اپنے ایمان کا جز بنا لیا۔ اور قوم کے حق میں اسکے تباہ کن اثرات کو نظر انداز کر دیا۔ صرف تقدیر کا کیا رونا مذہبی پیشوائیت کی طرف سے غیر قرآنی اور غلط سلط جو بھی تصورات دین کے نام پر پیش کئے گئے۔ مسلمان عوام و خواص نے ان کو بغیر سوچے سمجھے حرز جان بنا لیا اور عقل سے کام لینا چھوڑ دیا۔ تفکر و تدبر کی صلاحیت سے مسلمان قوم عاری ہو گئی۔ گو قرآن حکیم نے ہر معاملے میں تدبر پر بہت زور دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ مومن کے سامنے اگر اللہ تعالیٰ کی کوئی آیت بھی پیش کی جائے تو وہ اس پر اندھے اور بہروں کی طرح نہیں گر پڑتے بلکہ اس پر غور و خوض کر کے دل و دماغ کی تمام صلاحیتیں استعمال کر کے اگر اس کو درست پاتے ہیں تو پھر اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

ایمان اصل میں اسی یقین کا نام ہے۔ کسی بات کو بغیر سوچے سمجھے تسلیم کر لینا کورانہ تقلید ہے۔ جس کی قرآن عظیم نے مذمت فرمائی ہے۔ جس قوم میں غور و خوض اور تدبر و تفکر کا جوہر ختم ہو جاتا ہے اس کی تباہی یقینی ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کی ذلت و تباہی کا یہی باعث ہے۔ حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ تعلیم یافتہ گریجویٹ اور ڈبل گریجویٹ افراد نے بھی دین کے معاملات میں کورانہ تقلید کا شیوہ اختیار کر رکھا ہے اور جو غلط سلط نظریات مذہبی پیشواؤں نے

دینے ان سے چھنے ہوئے تھے۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ

شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی

ہم صدیوں سے مذہبی پیشواؤں کے دیئے ہوئے تصورات دین پر عمل پیرا تھے جو اکثر صورتوں میں دین حق کے احکام سے متصادم تھے، ان پر عمل شرک ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے احکام کو چھوڑ کر غیر اللہ کی اطاعت کرنے والے دین کے دائرے سے خارج ہو جاتے ہیں۔ چونکہ وہ حقیقت میں غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ سے برتر مقام دے کر مشرکین کے گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ شرک ظلم عظیم اور ناقابل معافی گناہ ہے۔ شرک میں مبتلا لوگوں کا دین حق سے رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث مبارکہ میں درج ہے کہ ایک دفعہ ایک نصرانی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دوران گفتگو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نصرانی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگوں کا سب سے بڑا جرم یا گناہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے مذہبی راہنماؤں کو خدا بنا رکھا ہے۔ نصرانی نے جواب میں کہا کہ نہیں ہم تو خدا پر ہی ایمان رکھتے ہیں اتفاق سے اس نصرانی کے گلے میں صلیب کا نشان لٹک رہا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے گلے میں یہ صلیب نشان کیوں پڑا ہوا ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ یہ ہمارے مذہبی پیشواؤں کا حکم ہے، تو اس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسی کو مذہبی پیشواؤں کو خدا بنانا کہتے ہیں۔

سبحان اللہ = اللہ تعالیٰ کی رحمتوں، برکتوں اور تجلیات کی موسلا دھار بارشیں حضور نبی اکرم کی ذات بابرکات پر ہوں کہ انہوں نے مذہبی پیشواؤں کی اطاعت کو شرک گردان کر اس کی مذمت فرمائی۔

تقدیر کے عقیدے نے مسلمانوں کی عمل کی قوتوں کو شل کر دیا ہے اور دین حق کا مثالی نظام حیات رسمی مناجاتوں، مراقبوں، چلہ کشیوں، شخصیت پرستیوں میں گم ہو کر رہ گیا اور وہ مسلمان جن کو اللہ تعالیٰ نے بہترین قوم کہا اور اقوام عالم کی نگرانی اور راہنمائی کا شرف عطا کیا تھا آج اپنی بے عملی اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے انحراف و سرکشی اور تقدیر جیسے غیر اسلامی اور گمراہ کن عقیدے پر ایمان و عمل کی وجہ سے دنیا کی اقوام میں نہایت پست مقام پر پہنچ چکے ہیں۔

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

نوشتۂ قسمت یا تقدیر کے غیر اسلامی اعتقاد نے مسلمانوں کو ناکارہ محض کر کے اقوام عالم کی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔ جبکہ احکام الہٰی کی اطاعت سے اسے بلند ترین مقام پر پہنچنا تھا۔ جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے کر رکھا ہے۔ تقدیر کا یا قسمت کا تصور دوسرے کئی غیر قرآنی نظریات کی طرح مسلمانوں کو مذہبی پیشوائیت کی جانب سے ملا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے احکام خدا کو فراموش کر دیا ہے۔ اور اس مذہب کو اپنایا ہوا ہے جو ملا نے ہم کو دیا ہے۔ جو بجائے فائدے کے نقصان کا باعث بن رہا ہے۔ آج وہ اقوام جو خدا اور مذہب کے نام تک سے نا آشنا ہیں دنیا کی بڑی طاقتوں میں شمار ہوتی ہیں۔ اور کئی مسلمان ان کے حاشیہ بردار بنے ہوئے ہیں اور اس پر فخر محسوس کرتے ہیں اور ان کے درباروں میں ترساں و لرزاں ہاتھوں میں کشکول لے کر پہنچتے ہیں اور خوشامد درآمد سے امداد کے وعدے حاصل کرتے ہیں۔ بڑی طاقتوں کو چھوڑیئے۔ ایک چھوٹی سی اسرائیلی مملکت نے بارہ چودہ کروڑ عربوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے اور یہ حالت اس وجہ سے ہوئی کہ مسلمان قوت عمل سے محروم ہو چکا ہے اور جذبہ جہاد جو ایمان کی کسوٹی ہے مفقود ہونے کی وجہ سے اللہ کی راہ میں جان دینے کے تصور سے مسلمان کے دل و دماغ میں رعشہ سا طاری ہو جاتا ہے اور جو قوم حق کی خاطر جان و مال کی قربانی کا سبق بھول جاتی ہے اس کو احترام اور سر بلندی حاصل نہیں ہو سکتی۔

تقدیر کا نظریہ صریحاً اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہے۔ قرآن حکیم ایمان کے بعد بار بار عمل کی تلقین کرتا ہے۔ ایمان و عمل لازم و ملزوم ہیں۔ عمل کے بغیر ایمان سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

عقیدہ تقدیر سے ماخوذ ایک تصور یہ بھی ہے کہ انسان محض مجبور ہے اور اس کو نیک و بد کے انتخاب کا اختیار نہیں ہے۔

اسی عقیدے کی بنا پر ایک علیحدہ فرقہ معرض وجود میں آگیا جسے جبریہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اگر انسان عمل کے بارے میں مجبور ہے اور اسے نیک و بد کو منتخب کرنے کا اختیار نہیں

ہے تو پھر جزا و سزا اور جنت و دوزخ محض خیالی بن کر رہ جاتے ہیں ۔ عمل کرنے والا نہ تو نیک عمل کی جزا کا مستحق ٹھہرتا ہے اور نہ ہی برائی کے ارتکاب سے کسی سزا کا جواز پیدا ہوتا ہے ۔ جب جزا و سزا کا عمل باطل ٹھہرا تو دین کا تمام تانا بانا بکھر کر محض خیالی تصورات کا ہیولیٰ بن کر رہ جاتا ہے ۔ اس لئے انسان کے فاعل مختار نہ ہونے کا تصور صریحاً غیر معقول ہے اور عدل و انصاف کے اصولوں کی نفی کرتا ہے ۔

تقدیر و جبر کے عقیدے کے تباہ کن اثرات سے قوم کو محفوظ کرنے کے لئے اس کو قوم کے ذہنوں سے مکمل طور پر محو کرنا از بس ضروری ہے ۔

تصوف

ذیل میں تصوف کے متعلق حضرت علامہ اقبال کے چیدہ چیدہ اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

یہ حکمت ملکوتی یہ علم لاہوتی حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکر نیم شبی یہ مراقبے یہ سرور تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں بہانہ بے عملی کا بنی شراب الست
فقیہہ شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور کہ معرکے ہیں شریعت کے جنگ دست بدست
گریز کشمکش زندگی سے مردوں کی اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست

صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال ملا کی شریعت میں فقط مستی گفتار
شاعر کی نوا مردہ و افسردہ و بے ذوق افکار میں سرمست نہ خوابیدہ نہ بیدار
وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستی کردار

صوفی سے

تری نگہ میں ہے معجزات کی دنیا مری نگہ میں ہے حادثات کی دنیا
تخیلات کی دنیا غریب ہے لیکن غریب تر ہے حیات و ممات کی دنیا

اے پیر حرم رسم و رہ خانقہی چھوڑ مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
تیری طبیعت ہے اور تیرا زمانہ ہے اور تیرے موافق نہیں یہ خانقہی سلسلہ

یہ معاملے ہیں نازک جو تری رضا ہو تو کر — کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریق خانقاہی
محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا — ہے بندہ آزاد خود اک زندہ کرامات

باغی مرید

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی — گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو دیہاتی ہو مسلمان ہے سادہ — مانند بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن
نذرانہ نہیں سود ہے پیران حرم کا — ہر خرقہ سالوس کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

"ضرب کلیم"

متفرق اشعار

حلقہ صوفی میں ذکر بے نم و بے سوز و ساز — میں بھی رہا تشنہ کام تو بھی رہا تشنہ کام
ممکن نہیں تعمیر خودی خانقہوں سے — اس شعلہ نم خوردہ سے ٹوٹے گا شرر کیا
یہ پیران کلیسا و حرم اے وائے مجبوری — صلہ ان کی کد و کاوش کا ہے سینوں کی بے نوری

پیر حرم کو دیکھا ہے میں نے — کردار بے سوز گفتار واہی
اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک — نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ
میں ایسے فقر سے اے اہل حلقہ باز آیا — تمہارا فقر ہے بے دولتی و رنجوری
حکیم و عارف و صوفی تمام مست ظہور — کسے خبر کہ تجلی ہے عین مستوری
سکھا دیے ہیں اسے شیوہ ہائے خانقہی — فقیہہ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب
مرید سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب — خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق

کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی
ان کا سر دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذر و دلق اویس و چادر زہرا

نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی
تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ

نہ ایراں میں رہے باقی نہ توراں میں رہے باقی
وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاک قیصرو کسریٰ

شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی

مرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

کیے ہیں فاش رموز قلندری میں نے
کہ فکر مدرسہ و خانقاہ سے ہوا آزاد

تمدن، تصوف، شریعت، کلام
بتان عجم کے پجاری تمام

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد
محبت میں یکتا، حمیت میں فرد

عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

عالماں از علم قرآں بے نیاز
صوفیاں درندہ گرگ مودراز

بے خبر از سرِ دیں اند ایں ہمہ!
اہل کیں اند اہل کین اند ایں ہمہ

کعبہ آباد است از اصنام ما
خندہ زن کفر است بر اسلام ما

شیخ در عشق بتاں اسلام باخت
رشتہ تسبیح از زنار ساخت

پیرہا پیر از بیاض مو شدند
سخرہ بہر کودکان کو شدند

دل ز نقش لاالہ بیگانہ ء ! از صنم ہائے ہوس بتخانہ ء
می شود ہر مو درازے خرقہ پوش آہ ازیں سوداگران دیں فروش
بامریداں روز و شب اندر سفر از ضرورت ہائے ملت بے خبر
دیدہ ہا بے نور مثل نرگس اند سینہ ہا از دولت دل مفلس اند
واعظاں ہم صوفیاں منصب پرست اعتبار ملت بیضا شکست

چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیرما
رخ سوئے میخانہ دارد پیر ما

شیخ ما از برہمن کافر تراست زانکہ او را سومنات اندر سراست
رخت ہستی از عرب بر چیدہ در خمستان عجم خوابیدہ
شل ز برفاب عجم اعضائے او سرد تر از اشک او صہبائے او
ہمچو کافر از اجل ترسندہ سینہ اش فارغ ز قلب زندہ

متفرق اشعار فارسی:

متاع شیخ اساطیر کہن بود حدیث او ہمہ تخمین و ظن بود
فقیراں تا بہ مسجد صف کشیدند گریبان شہنشاہاں دریدند
چوں آں آتش درون سینہ افسرد مسلماناں بدرگاہاں خزیدند
سبوئے خانقاہاں خالی از مے کند مکتب رہ طے کردہ را طے
زبزم شاعراں افسردہ رفتم نوائے مردہ بیروں افتد از نے
بہ بند صوفی و ملا اسیری حیات از حکمت قرآن نگیری
بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست کہ از یسین او آساں بمیری
زمن بر صوفی و ملا سلامے کہ پیغام خدا گفتند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت خدا و جبریل و مصطفی را

مریدے خودشناسے پختہ کارے   بہ پیرے گفت حرف نیش دارے
برگ ناتمامے جاں سپردن   گرفتن روزی از خاک مزارے
پسر را گفت پیرے خرقہ بازے   ترا ایں نکتہ باید حرز جاں کرد
بہ نمرودان ایں دور آشنا باش   زفیض شاں براہیمی تواں کرد

حضرت علامہ اقبال نے اپنے مکتوبات میں بھی تصوف کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں ان کے مکتوبات سے کچھ اقتباسات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں کہ

تصوف سے اگر اخلاص فی العمل مراد ہے اور یہی مفہوم قرون اولیٰ میں اس سے لیا جاتا تھا تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا ہاں جب تصوف فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظام عالم کے حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات کے متعلق موشگافیاں کر کے کشفی نظریہ پیش کرتا ہے تو میری روح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔

مکتوب بنام حافظ محمد اسلم جیراجپوری

ہندی اور ایرانی صوفیا میں سے اکثر نے مسئلہ فنا کی تعبیر فلسفہ ویدانیت اور بدھ مت کے زیر اثر کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مسلمان اس وقت عملی اعتبار سے ناکارہ محض ہے۔ میرے نزدیک یہ تعبیر بغداد کی تباہی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اور ایک معنی میں میری تمام تحریریں اس تعبیر کے خلاف ایک قسم کی بغاوت ہیں۔

خط بنام مولانا ظفر احمد صدیقی

اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ تصوف کا وجود ہی سرزمین اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جس نے عجمیوں کی دماغی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے۔

نامہ بنام مولانا سلیمان ندوی

ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں۔ ان کو عربی اسلام اور اس کے نصب العین اور غرض و غایت سے آشنائی نہیں۔ ان کا لٹریری آئیڈیل ایرانی ہے سوشل

نصب العین بھی ایرانی ہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مثنوی میں حقیقی اسلام کو بے نقاب کروں جس کی اشاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ۔ صوفی لوگوں نے اس کو تصوف پر ایک حملہ تصور کیا اور یہ خیال کسی حد تک درست بھی ہے ۔ انشااللہ دوسرے حصے میں دکھاؤں گا کہ تصوف کیا ہے اور کہاں سے آیا ہے اور صحابہ کرام کی زندگی سے کہاں تک ان تعلیمات کی تصدیق ہوتی ہے جس کا تصوف حامی ہے ۔

مکتوب بنام مولوی سراجدین پال ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۵ء

حضرت علامہ نے کسی صوفی شاعر کے ذیل کے دو اشعار نقل کرنے کے بعد مولوی سراج دین پال کو اپنے مکتوب مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے :

غازی ز پے شہادت اندر تگ وپوست   غافل کہ شہید عشق فاضل تر از اوست
در روز قیامت ایں بہ او کے ماند   آن کشتۂ دشمن است و ایں کشتۂ دوست

شاعر نے کمال یہ کیا ہے کہ جس کو اس نے زہر دیا ہے اس کو احساس بھی اس امر کا نہیں ہو سکا کہ اس کو کس نے زہر دیا ہے بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ مجھے آب حیات پلایا گیا ہے ۔ آہ مسلمان کئی صدیوں سے یہی سمجھ رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ایک ایسی جماعت پیدا کر دے جو بقول آپ کے اسلام کے نادان دوستوں کی پیدا کی ہوئی آمیزشوں کے خلاف جہاد کرے ۔

ہندی مسلمانوں کی بڑی بد بختی یہ ہے کہ اس ملک میں عربی زبان کا علم اٹھ گیا ہے اور قرآن کی تفسیر میں محاورے سے بالکل کام نہیں لیتے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں قیامت اور توکل کے وہ معنی لئے جاتے ہیں جو عربی زبان میں ہرگز نہیں ہیں ۔ اسی طرح ان لوگوں نے نہایت بے دردی سے قرآن اور اسلام میں ہندی اور یونانی تخیلات داخل کر دیئے ہیں ۔ تصوف کا سب سے پہلا شاعر عراقی ہے جس نے لمعات میں "فصوص الحکم" از محی الدین ابن عربی کی تعلیمات کو نظم کیا ہے ۔ جہاں تک مجھے علم ہے فصوص میں سوائے الحاد اور زندقہ کے اور کچھ نہیں ہے ۔ اس پر میں انشاء اللہ مفصل لکھوں گا ۔ یہ حیرت کی بات نہیں کہ تصوف کی تمام شاعری مسلمانوں کے پولیٹیکل انحطاط کے زمانے میں پیدا ہوئی اور یہ ہونا بھی ایسا ہی چاہئے تھا ۔ جس قوم میں طاقت اور توانائی مفقود ہو جاتی ہے جیسا کہ تاتاری یورش کے بعد مسلمانوں میں مفقود ہوئی تو پھر اس قوم کا نقطہ نگاہ بھی بدل جایا کرتا ہے ۔ ان کے نزدیک ناتوانی ایک حسین و جمیل شے ہو جاتی ہے اور ترک دنیا موجب تسکین ۔ اس ترک دنیا کے پردے میں قومیں اپنی سستی اور

کاہلی اور اس شکست کو جوان میں ہو چھپایا کرتی تھی ..... خود ہندوستان کے مسلمانوں کو دیکھنے کہ ادبیات کا انتہائی کمال لکھنو کی مرثیہ گوئی پر ختم ہوا۔

مکتوب بنام مولوی سراج الدین پال ۹ جولائی ۱۹۱۶ء

تصوف کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ انسانی نفس یا ذات اللہ تعالی کی روح کامل کا ایک حصہ ہے جو خدا سے الگ ہو کر اس دنیا کی مادی دلدلوں میں پھنس گئی ہے۔ زندگی کا مقصد یہ ہے کہ انسان ان مادی کثافتوں کی دلدل سے نکل کر اپنی اصل یعنی روح خداوندی سے واصل ہو جائے جیسا کہ ایک قطرہ آب دریا میں گر کر اس کا حصہ یا جزو بن جاتا ہے۔ یہ تصور ہندوؤں کے ویدانتی نظریے اور بدھ مت کی تعلیم پر مبنی ہے۔ اس غلط تخیل نے باطل اور غیر اسلامی تصورات کو جنم دیا۔ مسلمانوں میں اس قسم کے نظریے کی ترویج کی گئی کہ یہ دنیا ہیچ بلکہ مردار ہے اور اس کا چاہنے والا کتا ہے = جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ قوم نے کشمکش حیات اور جدوجہد سے کنارہ کشی کر لی اور تسخیر کائنات اور جہاد فی سبیل اللہ کے احکام ربانی کو فراموش کر کے قوت و طاقت سے محروم اور باطل کی قوتوں کی غلامی میں گرفتار ہو گئی۔ اور توحید پرستی کے اس اعلیٰ مقام سے گر کر اس قعر مذلت میں پہنچ گئی جو اللہ تعالی نے کفار اور مشرکوں کے لئے مقرر کر رکھا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے کہ یہ دنیا حق و عدل کے بلند ترین اصولوں کی اساس پر پیدا کی گئی ہے اور اس کی تخلیق بلند مقاصد کے لئے ہے نہ کہ کھیل تماشا کے لئے عمل میں لائی گئی ہے۔ ہمارے تصوف میں ان باطل تصورات کا ماخذ ہندوؤں کا فلسفہ ویدانت اور یورپ کے حکیم افلاطون کے اس نظریہ سے مستعار لیا گیا ہے کہ اس مادی دنیا کا کوئی وجود نہیں ہے۔ ہندو حکما تو اس دنیا کو لیلا سے تعبیر کرتے تھے۔ اور بعض تو اس کو افلاطون کی پیروی میں مایا سمجھتے تھے۔ ان نظریات کے زیر اثر ہمارے صوفیاء نے وحدت الوجود یا ہمہ اوست کا نظریہ پیش کیا کہ وجود تو صرف اللہ تعالیٰ ہے اور باقی کائنات کا کوئی وجود ہے ہی نہیں جو کچھ انسانی نظر دیکھتی ہے وہ سب خدا ہی خدا ہے۔ اس نظریے کو فلسفیانہ رنگ دے کر طویل بحث و تمحیص کا موضوع بنایا گیا اور شاعروں نے اس نظریے میں بہت اہم رول ادا کیا۔ اس نظریے نے اسلام کے مکلفات عمل کے بنیادی اور اٹل قانون کو اور جزا سزا کے عقیدے کو بے معنی بنا دیا۔

دوسرا نظریہ جس کو تصوف میں اساسی حیثیت حاصل ہے یہ ہے کہ انسان خاص قسم کے مجاہدوں اور چلہ کشیوں کے ذریعے لنی مفروضہ روحانی قوتوں اور صلاحیتوں کو اس قدر ترقی اور جلا دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے بالمشافہ بات چیت اور کلام کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ جس قدر شدت سے ریاضتیں کرتا ہے اسی قدر وہ خدا کے نزدیک تر ہوتا جاتا ہے اور ہم کلامی کا شرف و امتیاز حاصل کرتا ہے۔ تصوف کا اسلام سے رشتہ بہت بعد میں جوڑا گیا اور اس کی نشو و نما اور ترویج ایرانیو کی زور دار قوت متخیلہ کی مرہون منت ہے۔ جیسے کہ علامہ نے فرمایا ہے کہ تصوف اسلام کی سر زمین میں ایک اجنبی پودا ہے جس کی پرورش اہل عجم کے دل و دماغ نے کی ہے۔

حضرت علامہ نے پیروں کی کرامات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا کہ مسلمان اپاہج اور نکمے ہو گئے اور ان کی نظر سے مجاہدین اسلام کے زریں کارنامے اوجھل ہو چکے ہیں۔ لیکن پیروں کی کرامات ہر وقت ان کے قلب و نگاہ کے سامنے رہتی ہیں۔ یہ کشمکش حیات سے فرار اور اعتراف شکست ہے۔ دنیا میں سب سے بڑی کرامت وہ ہے جو مرد مومن کی قوت بازو سے ظہور پذیر ہو اور جس کا نتیجہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا قیام ہو۔ اس سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی کرامت نہیں ہے۔

محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا
اور بندہ آزاد ہے خود زندہ کرامات

تصوف کے متعلق علامہ کے نقطہ نظر کی وضاحت کے لئے ان کے ایک مضمون کے چند اقتباسات برائے ملاحظہ اہل فکر حضرات پیش کئے جاتے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں کہ:

آج کل کا مسلمان یونانی اور ایرانی تصوف کی ان تاریک وادیوں میں بے مقصد و مدعا ٹامک ٹوئیے مارتے پھرنے کو ترجیح دیتا ہے جس کی تعلیم یہ ہے کہ گرد و پیش کے حقائق ثابتہ سے آنکھیں بند کر لی جائیں اور توجہ اس پیلی پیلی اور سرخ روشنی پر جما دی جائے جسے اشراق کا نام دیا گیا ہے۔ یہ دراصل دماغ کے ان خانوں سے پھوٹ کر نکلتی ہے جو ریاضت کی کثرت اور تواتر کے باعث ماؤف ہو چکے ہیں۔

دنیائے قدیم کی تاریخ ذہنی کے مطالعے سے یہ نہایت اہم حقیقت آپ پر منکشف ہو جائے گی کہ زوال پذیر قوموں اور گروہوں نے ہر دور میں خود ساختہ تصوف اور فنائیت میں پناہ لی ہے۔ جب روح حیات فنا ہو جاتی ہے اور زمان و مکان کے مسائل سے دست و گریباں ہونے کی

ہمت باقی نہیں رہتی تو داعیان انحطاط ایک مزعومہ ولایت و سرمدیت کی تلاش میں لگ جاتے ہیں
اسلامی فکرو ادب کا مطالعہ کرنے والا کوئی فرد اس اعتراف میں متامل نہ ہو گا کہ شریعت سے
اعراض کا رجحان اس خود ساختہ تصوف کا براہ راست نتیجہ ہے جو عجمی دل و دماغ کی پیداوار ہے۔

تسخیر ایران کا نتیجہ یہ نہ نکلا کہ ایران اسلام کا حلقہ بگوش بن گیا بلکہ یہ نکلا کہ اسلام ایرانیت
کے رنگ میں رنگا گیا۔

انحطاط کے سحر کی کیفیت یہی ہے کہ جن ہاتھوں سے ہم زہر کا پیالہ پیتے ہیں انہی کو چومتے ہیں۔
قرآن مجید کا ایک ایک لفظ زندگی، مسرت اور روشنی سے لبریز ہے۔ یہ تاریک اور قنوطیت افزا تصوف
کے لئے وجہ جواز مہیا کرنے ہی سے پاک و مبرا نہیں بلکہ ان تمام مذہبی تعلیمات کے خلاف کھلا
ہوا جارہانہ اقدام ہے جنہوں نے صدیوں تک عالم انسانیت کو مبتلائے فریب رکھا۔....

اس شخص کی بات پر کان نہ دھریے جو کہتا ہے کہ اسلام میں کوئی مخفی اصول بھی ہے
جسے ناشناساؤں پر منکشف نہیں کیا جا سکتا اسی پر جھوٹے مدعیوں کے اقتدار اور آپ کی غلامی کا
انحصار ہے

لہذا وہ آپ کو سکھاتے ہیں کہ حسی ادراک حجاب اکبر ہے اور (العلم حجاب اکبر)

حسی ادراک کے یہ دشمن آپ کے احساس حقائق کو کند کرتے ہیں اور علم تاریخ کی بنیاد
کھوکھلی کر دیتے ہیں۔ نوجوان مسلمانو اس شعبدہ بازی سے خبردار رہو۔ شعبدہ بازوں کی کمند بڑی
مدت سے تمہاری گردنوں پر پڑی ہوئی ہے۔ دنیائے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا انحصار اس پر ہے کہ بڑی
سختی سے اس توحید کو اپنا لیا جائے جو مصلحت کوشیوں اور مفاہمت اندوزیوں کو جانتی نہ تھی۔ اور
جس کی تعلیم تیرہ سو سال پیشتر عربوں کو دی گئی تھی۔ عجمیت کے دھندلکے سے باہر نکلو اور عربوں
کے درخشاں صحرا کی روشن فضا میں آجاؤ۔

اقتباسات از مقالہ علامہ اقبال
مندرجہ مطالب الفرقان جلد دوم صفحہ ۲۲۷ تا ۲۲۹

علاوہ بریں ایک اور عقیدہ جس کے فروغ میں صوفیا نے شدت سے اہتمام کیا وہ باطنیت یا
علم باطن کا نظریہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم کے الفاظ کے ایک ظاہری معنی اور
دوسرے باطنی معانی اور اسرار ہیں اور اس باطنی مطالب کا علم صرف صوفی حضرات کو دیا گیا ہے
عوام الناس کی رسائی اس علم تک نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالی نے قرآن مجید کو کتاب مبین اور ہر قسم
کے شک و ابہام سے پاک واضح صحیفہ آسمانی قرار دیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جیسا کہ اس کی

حفاظت ہمارے ذمہ ہے اسی طرح اس کی تفسیر اور مطالب و مقاصد کی تشریح بھی ہماری ذمہ داری ہے - قرآن حکیم آپ اپنی تفسیر و تشریح کرتا ہے اور اپنے معانی و اسرار کو واضح کرنے میں کسی انسان کا محتاج نہیں ہے - علامہ نے یہ مفہوم اس شعر میں بیان کیا ہے:

حرف او را ریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندہ تاویل نے

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ قرآن عظیم کو نصیحت حاصل کرنے اور اس کے احکام پر عمل کے لئے سہل اور آسان کر دیا ہے - اندریں حالات صوفیاء کا یہ نظریہ کہ قرآن کے باطنی معانی کا صرف ان پر انکشاف ہوتا ہے سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے

آخر میں تصوف کی نقاب کشائی اور جھلک دکھانے کی غرض سے حضرت علامہ کے چند منتخب اشعار برائے ملاحظہ اہل فکر حضرات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

عالماں از علم قرآں بے نیاز — صوفیاں درندہ گرگ مو دراز
بے خبر از سر دیں اند ایں ہمہ — اہل کیں اند اہل کیں اند ایں ہمہ
پیر با پیر از بیاض مو شدند — سخرہ بہر کودکان کو شدند
می شود ہر مو درازے خرقہ پوش — آہ زیں سوداگران دیں فروش
واعظان ہم صوفیاں منصب پرست — اعتبار ملت بیضا شکست
شیخ ما از برہمن کافر تر است — زانکہ او را سومنات اندر سر است
ہمچو کافر از اجل ترسندہ — سینہ اش فارغ ز قلب زندہ

بہ بند صوفی و ملا اسیری — حیات از حکمت قرآں نگیری

مرید خود شناسے پختہ کارے — بہ پیرے گفت حرف نیش دارے
بمرگ ناتمامے جاں سپردن — گرفتن روزی از خاک مزارے

یہ حکمت ملکوتی یہ علم لاہوتی — حرم کے درد کا درمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکر نیم شبی یہ مراقبے یہ سرور — تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
تیری طبیعت ہے اور تیرا زمانہ ہے اور — تیرے موافق نہیں یہ خانقہی سلسلہ

محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا
ہے بندہ آزاد خود اک زندہ کرامات
نذرانہ نہیں سود ہے پیران حرم کا
ہر خرقہ سالوس کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

حلقہ صوفی میں ذکر بے نم و بے سوز و ساز
میں بھی رہا تشنہ کام تو بھی رہا تشنہ کام

پیر حرم کو دیکھا ہے میں نے
کردار بے سوز گفتار واہی
اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ
مرید سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب
خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق

ملائیت

موضوع بالا پر علامہ کے ارشادات

دین حق از کافری رسوا تراست زانکہ ملا مومن کافر گراست
شبنم ما در نگہ ما یم است از نگہ او یم ما شبنم است
از شگرفیہائے آں قرآں فروش دیدہ ام روح الامیں را در خروش
زانسوائے گردوں دلش بیگانہ نزد او ام الکتاب افسانہ
بے نصیب از حکمت دین نبی آسمانش تیرہ از بے کوکبی
کم نگہ و کور ذوق و ہرزہ گرد ملت از قال و اقولش فرد فرد
مکتب و ملا و اسرار کتاب کور مادر زاد و نور آفتاب

دین کافر فکر و تدبیر جہاد
دین ملا فی سبیل اللہ فساد

نے مرا افرشتۂ نے چاکرے وحی من بے منت پیغمبرے
نے حدیث و نے کتاب آوردہ ام جان شیریں از فقیہان بردہ ام
رشتہ دیں چوں فقیہاں کس نرشت کعبہ را کردند آخر خشت خشت

کیش ما را این چنیں تاسیس نیست
فرقہ اندر مذہب ابلیس نیست

جاوید نامہ

میں بھی حاضر تھا وہاں ضبط سخن کر نہ سکا حق سے جب حضرت ملا کو ملا حکم بہشت
عرض کی میں نے الٰہی میری تقصیر معاف خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لب و کشت
نہیں فردوس مقام جدل و قال و اقیل بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت

ہے بد آموزی اقوام و ملل کام اس کا
اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا نہ کنشت

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
شاہیں کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات

وہ مذہب مردان خود آگاہ و خدامست
یہ مذہب ملا و جمادات و نباتات

مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی
اس دور کے ملا ہیں کیوں ننگ مسلمانی

مری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی
شیخ کہتا ہے کہ ہے وہ بھی حرام اے ساقی

شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

گر صاحب ہنگامہ نہ ہو منبر و محراب   دیں بندۂ مومن کے لیے موت ہے یا خواب
کر سکتی ہے بے معرکہ جینے کی تلافی   اے پیر حرم تیری مناجات سحر کیا
ملا کی نظر نور فراست سے ہے خالی   بے سوز ہے میخانہ صوفی کی مے ناب
ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی   گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو ، دیہاتی ہو مسلمان ہے سادہ   مانند بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن
نذرانہ نہیں سود ہے پیران حرم کا   ہر خرقہ سالوس کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد   زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

تمدن تصوف شریعت کلام   بتان عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی   یہ امت روایات میں کھو گئی
وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد   محبت میں یکتا حمیت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا   یہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے   مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

حلقہ صوفی میں ذکر بے نم و بے سوز و ساز   تو بھی رہا تشنہ کام میں بھی رہا تشنہ کام
اب حجرہ صوفی میں وہ فقر نہیں باقی   خون دل شیراں ہو جس فقر کی دستاویز

یہ حکمت ملکوتی یہ علم لاہوتی   حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکر نیم شبی یہ مراقبے یہ سرور   تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں   بہانہ بے عملی کا بنی شراب الست
فقیہہ شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور   کہ معرکے ہیں شریعت کے جنگ دست بدست

یہ معاملے ہیں نازک جو تیری رضا ہو تو کر | کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریق خانقاہی
تیری طبیعت ہے اور تیرا زمانہ ہے اور | تیرے موافق نہیں یہ خانقہی سلسلہ

مرید سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب | خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق
مرا سبوچہ غنیمت ہے اس زمانے میں | کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو

مندرجہ بالا کلام میں حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے مذہبی پیشوائیت جس کو انہوں نے ملا کی زبان زد عام اصطلاح سے تعبیر کیا ہے کو نہایت تند و تیز الفاظ میں ہدف تنقید بنایا ہے۔ ان کا روئے سخن کسی خاص ملا کی طرف نہیں ہے۔ انہوں نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ مذہبی پیشوائیت کے ادارے کے خلاف ہے۔ یہ نشتر زنی ملائیت کے منفی اور غیر اسلامی تصورات جو مسلمان کی تباہی و ذلت کا باعث بن رہے ہیں کی ناقابل تردید مذمت ہے۔ حضرت علامہ قرآن حکیم کے عاشق تھے اور ان کی زندگی کے بیشتر شب و روز کلام اللہ پر تفقہ و تدبر میں بسر ہوئے۔ وہ قرآن کے احکام و اقدار اور فلسفہ زندگی کو بنی نوع انسان کی جملہ خرابیوں کا واحد حل تصور کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ مفتیان دین کی جانب سے مسلمانوں کو صرف رسمی عبادات اور بے نتیجہ رسوم کو اسلام کے مکمل نظام حیات کی جگہ تو ان کے حساس دل و دماغ کو سخت کوفت اور اذیت پہنچتی اور ان کے دل کی گہرائیوں سے موجزن ہو کر وہ خیالات ابھرتے جن کا اظہار انہوں نے اپنے مندرجہ بالا اشعار کے ذریعے کیا ہے۔ وہ ہمیشہ اسی فکر میں رہتے کہ مسلمان کی تباہی اور زبوں حالی کا باعث کیا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اقوام عالم کی صف میں "علون" کے مقام کی خوشخبری دیتا ہے اگر وہ سچے مومن ہوں اور یہ بھی فرماتا ہے کہ کوئی دوسری قوم ہرگز ان پر غالب نہیں آسکتی --- علامہ بھی اس ارشاد ربانی پر پختہ یقین رکھتے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

مومن و بالائے ہر بالا ترے | غیرت او بر نتابد ہمسرے

مسلمانوں کی پستی اور حالت زار کے وجوہ دریافت کرنے کی جستجو میں وہ ہمیشہ دلگیر و پریشان رہے۔ چنانچہ یہی جذبہ جستجو ان کو عالم بالا میں اکابرین ملت سے اس عقدہ کی گرہ کشائی کی خاطر لے جاتا ہے اور جاوید نامہ کے محولہ بالا اشعار جن کا پہلا مصرعہ ہے کہ

دین حق از کافری رسوا تر است

اسی جذبہ کی غمازی کرتے ہیں۔ حضرت علامہ مسلمانوں کی عبرتناک پسماندگی اور حقیقی اسلامی معاشرے کی عدم موجودگی کے متعلق سعید حلیم پاشا سے جو ترکی کے بہت بڑے عالم اور دانشور تھے دریافت کرتے ہیں۔

حضرت علامہ ان سے کہتے ہیں کہ آپ نے اسلامی معاشرے کے متعلق جملہ کوائف کی وضاحت کر دی ہے مگر کیا وجہ ہے کہ وہ اسلامی معاشرہ معرض وجود میں نہیں آتا بلکہ اس کی جھلک تک بھی کہیں نظر نہیں آتی۔ دیگر مسلمان کیوں اس قدر مردہ اور بے روح ہو گئے ہیں کہ تاتاری اور کرد جیسے بہادر بھی اب افسردہ اور پژمردہ بلکہ چلتی پھرتی لاشیں بن چکے ہیں۔ کیا مسلمان واقعی مردہ ہو چکا ہے یا قرآن بے اثر اور بے روح ہو چکا ہے؟

علامہ کے ان تجسس آمیز سوالات کے جو جوابات حضرت سعید حلیم پاشا نے دیئے ہیں ان کا مفہوم پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

حضرت سعید حلیم پاشا رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا سچا اور بہترین نظام حیات بدیں وجہ بدنام ہو چکا ہے کہ ملا نے مومنین کی تکفیر کا شغلہ اختیار کیا ہوا ہے۔

ہماری نگاہ میں تو خدا کی رحمت کی چند بوندیں ایک بحر زخار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن ملا کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا موجیں مارتا ہوا سمندر چند قطروں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ یہ رحمتوں کا بحر بے پایاں ہمیں قرآن حکیم عطا کرتا ہے اور ملا اس سے بے خبر ہے۔ ملا کی بوالعجبیوں اور بے سرو پا باتوں کی وجہ سے حضرت جبرئیل امین کو اس کی عقل و دانش پر ماتم کرتے دکھایا گیا ہے۔ ملا کا دل عالم بالا کے جواہر پاروں سے جو قرآن حکیم میں درج ہیں بالکل بے بہرہ ہے اور اس کے نزدیک کتاب اللہ جو حکمتوں اور انسان کی زندگی کے لئے ابدی اور اٹل قوانین کا بے نظیر مخزن و معدن ہے قصے کہانیوں کی کتاب ہے۔ وہ نبی اکرم کے لائے ہوئے نظام زندگی کی عظمتوں کو سمجھنے سے قاصر ہے اور ملا میں وسعت قلب و نگاہ مفقود ہے۔ یہ کور مغز و بد مذاق اور فضول باتیں کرنے والا ہے اور اس کے قال و اقوال سے ملت اسلامیہ جو ایک اکائی تھی ٹکڑوں میں بٹ کر انتشار و تشتت کا شکار ہو گئی ہے۔ یہ ملا اور اس کے مکتب کے لئے قرآن حکیم کے اسرار و مطالب ایسے ہیں جیسے ایک مادر زاد اندھے کے لئے سورج کی روشنی ناقابل فہم چیز ہے۔

کافر تو شب و روز جہاد کی تیاریوں میں مصروف ہیں لیکن یہ ملا مسلمانوں میں افتراق و انتشار اور عناد و فساد پیدا کرنا اپنا مسلک زندگی تصور کرتا ہے۔

علامہ حضرت ملا کو ابلیس کے روبرو پیش کرتے ہیں اور ابلیس اس پر ملامت کے نشتر سے شدید وار کرتا ہے۔ وہ یوں گویا ہوتا ہے کہ میں نے فقیہوں کی روح کو اپنے قبضے میں کر کے ان

کو مردہ اور بے روح بنا دیا ہے اور جب سے ان کے علاوہ دوسروں نے دین حق پر تدبر و تفکر کرنا چھوڑ دیا ہے انہوں نے کعبے کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ہے اور ملت کو فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کر کے تشتت و افتراق کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ ابلیس کے مسلک میں فرقہ بندی حرام ہے لیکن ملا کے مذہب میں تفرقہ بازی عین اسلام ہے۔ گو قرآن حکیم دین میں تفرقہ ڈال کر گروہ بندی اور فرقہ سازی کرنیوالوں کو مشرک قرار دیتا ہے اور شرک کو ناقابل معافی گناہ تصور کرتا ہے۔ شرک توحید کی نفی ہے اور بدیں وجہ شرک کرنیوالا دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ابلیس اپنے آپ کو توحید پرست ظاہر کرتا ہے چونکہ اس کے مذہب میں فرقہ بندی نہیں۔ لیکن ملا کو وہ فرقہ سازی کی وجہ سے مشرک تصور کرتا ہے۔ اور ملاؤں وار فقیہوں کو یہ جتانا چاہتا ہے کہ وہ تفرقہ بازی کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں اس لئے ان کے اسلام پر عمل کرنے کے دعوے بے حقیقت ہیں۔ جب تک وہ فرقہ بندی اور تفرقہ بازی کے ظلم عظیم اور شرک میں گرفتار ہیں۔ قرآن حکیم نے تفرقہ بازی کی سخت مذمت کی ہے اور اس کو شرک کے زمرے میں شمار کیا ہے ملاحظہ ہو آیات جلیلہ ۳۶ / ۳۱ / ۳۱ دوسرے یہ امر بھی پیش نظر رکھا جائے کہ قرآن حکیم کی تعلیم کا مقصد ہی فرقہ بند اور ہر قسم کے شرک کا خاتمہ اور توحید باری تعالیٰ کی اساس پر اسلامی معاشرے کی تشکیل ہے اس سے زیادہ خطرناک قسم کا شرک جس میں ملائیت نے مسلمان قوم کو گرفتار کیا وہ غیر اللہ کی حکومتوں کی غلامی ہے۔ انہوں نے مطلق العنان حکمرانوں کو ظل اللہ قرار دیکر مسلم قوم کو ان کا پرستار اور زر خرید غلام بنا دیا اور اس نے خدا کی اطاعت کی جگہ ملوکیت اور آمریت کی فرمانبرداری کو اپنا شعار بنا لیا اور اس طرح اللہ کی حاکمیت کا قیام جو اسلام کا مقصود و منتہیٰ ہے عمل میں نہ آسکا اور مسلمان طاغوت کی غلامی اختیار کرنے کی وجہ سے اسلام سے کوسوں دور ہو گیا۔ اس افسوسناک حالت زار پر حضرت علامہ نے خون کے آنسو بہائے ہیں۔

اور علماء سو کی سخت مذمت کی ہے لیکن مقام صد افسوس ہے علامہ کا نیش دار احتجاج اور ملوکیت اور اس کے حاشیہ بردار ملا کی منشائے الٰہی کے مطابق مذمت ابھی تک صدا بصحرا ثابت ہوئی ہے اور مسلمان بدستور صدیوں سے ملائیت کے پھندوں میں گرفتار ہیں جو ان کی پستی اور زبوں حالی کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ حضرت علامہ نے مذہبی پیشوائیت کو جو بہت حد تک موجود سیاسی طاغوتی نظام ممد و معاون ہے نہایت تند و تیز الفاظ میں ہدف تنقید بنایا ہے۔ حضرت علامہ نے مذہبی پیشوائیت کے احوال نظریات اور قال واقوال کا بہ نظر عمیق مطالعہ کیا اور اس کی ظاہری دین داری اور صحیح اسلام سے دوری کو نہایت دلنشین انداز میں بے نقاب کیا اور مسلمان کو اس کے غیر اسلامی نظریات اور تصورات سے اجتناب کرنے کی تلقین فرمائی۔ علامہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک

مسلم معاشرے میں علماء سو اور ملا کے غیر اسلامی اور افسانوی اسلام کا عمل دخل ہے مسلمان اسلام کے سنہری اصولوں اور احکام پر جو دین و دنیا کی کامرانیوں اور سربلندیوں کی ضمانت دیتے تھے عمل پیرا نہیں ہو سکتے ۔ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اور وہ ابدی اور اٹل قوانین و اقدار پر مشتمل بہترین فلسفہ زندگی پیش کرتا ہے لیکن ملا اپنے محدود اور کمتر علم کی وجہ سے قرآن حکیم کے مطالب و مقاصد کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا اسلئے وہ اسلام کو عوام کے سامنے اصل رنگ میں پیش کرنے سے قاصر ہے ۔

اسلام تو زندگی کے تمام شعبوں کی تشکیل کتاب اللہ کے احکام کے مطابق کر کے مسلمانوں کو وہ اعلون ،، کے مقام پر پہنچانے کا دعویٰ دار ہے ۔ لیکن ملا کے غلط مذہب نے مسلمانوں کو دنیا کی پست ترین اور ذلت و خواری سے دوچار کر کے بے چارگی اور بے بس قوم میں بدل دیا ہے ۔ یہ ہے ملا کی دین کی خدمت کا نتیجہ ۔ اس صورت احوال کے پیش نظر حضرت علامہ یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ :

از شکر فیہائے ایں قرآن فروش   دیدہ ام روح الامین را در خروش
شیخ ما از برہمن کافر تراست   زانکہ او را سومنات اندر سراست

جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا ہے کہ اسلام میں حق حکومت اور حق اطاعت اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص ہے ۔ اس کی عملی صورت کتاب اللہ کے مطابق حکومت کا جملہ کاروبار چلانا اور اس میں درج اصولوں اور احکام کی کلی پیروی میں زندگی بسر کرنا ہے ۔ اسلام اطاعت اور تتبع کا مطالبہ کرتا ہے ۔ اور یہ بھی وجہ البصیرت اطاعت ہے کورانہ تقلید نہیں ۔ اور نہ ہی اس کا مطلب مختلف نوع کی پرستش اور پوجا پاٹ ہے ۔ پوجا پاٹ کا تصور غیر اسلامی ہے جو عیسائی و یہود سے مستعار لیکر مذہبی پیشوائیت نے مسلمانوں میں رائج کیا ہے ۔ اس غلط تصور کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے انقلاب آفریں احکام نے رسوم اور میکانکی عمل کی شکل اختیار کر لی ہے ۔ اور مسلمانوں میں وہ مومنانہ صفات غائب ہو گئی تھی جو احکام الہی کی تعمیل کا لازمی نتیجہ تھی ۔ جیسا کہ علامہ نے فرمایا ہے کہ :

نماز و روزہ و قربانی و حج   یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے
یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل   یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہب مردان خود و آگاہ خدامست   یہ مذہب ملا و جمادات و نباتات

یہ ذکر نیم شبی یہ مراقبے یہ سرور تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

احکام خداوندی کی اطاعت کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ اس میں انسان کی بہبودی اور کامران زندگی کا راز پوشیدہ ہے اور ان کے انحراف کا نتیجہ دنیا و آخرت کی ذلت و خواری اور خسران ہے۔ انسانیت کش غلامیوں کی وجہ سے مسلمان قوم مومن کی صفات حمیدہ سے عاری ہو گئی اور وہ ملت مسلمہ جس کو اللہ تعالیٰ نے بہترین امت کے القاب سے نوازا اور اس کے ذمہ اقوام عالم کی نگرانی اور رہنمائی کے فرائض سپرد کئے خود گم گشتہ راہ ہو کر اسفلہ سافلین کے زمرے میں شامل ہو گئی۔

یہ لازمی نتیجہ ان غلط تصورات کا ہے جو مذہبی پیشوائیت نے دین متین کے متعلق مسلم قوم کو دیئے۔ یہ ایک ایسا المیہ ہے جس پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔ مسلمان کی اس پسماندگی اور عبرتناک زبوں حالی نے حضرت پر راتوں کی نیند اور دن کا سکون حرام کر دیا اور انہوں نے علمائے سو کو اس بے راہ روی اور ملت کو غلط اور تباہ کن نظریات و تصورات دینے سے باز رکھنے کے لئے ہدف تنقید و مذمت بنایا اور ان کی گوشمالی کی خاطر سخت ملامت کے علاوہ طعنہ زنی کے نیش دار اور زہر آلود تیر برسانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ ذیل کے اشعار اس ضمن میں ملاحظہ فرمائیے

کم نگاہ و کور ذوق و ہرزہ گرد ملت از قال و اقولش فرد فرد
مکتب و ملا و اسرار کتاب کور مادر زاد نور آفتاب
مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی اس دور کے ملا ہیں کیوں ننگ مسلمانی
شیخ ما از برہمن کافر تراست زانکہ او را سومنات اندر سراست
حقیقت را بہ رندے فاش کردند کہ ملا کم شناسد رمز دیں را

زیر بحث موضوع پر مزید روشنی ڈالنے کے لئے ابلیس کی مجلس کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

یہ ہماری سعی پیہم کی کرامت ہے کہ آج صوفی و ملا ملوکیت کے بندے ہیں تمام
جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآں نہیں ہے وہی سرمایہ داری بندہ مومن کا دیں
خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں   بے ید بیضا ہے پیران حرم کی آستیں
تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے   تا بساط زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوبتر   جو چھپا نے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس ملت کی بیداری سے میں   ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات
مست رکھو ذکر و فکر صبحگاہی میں اسے   پختہ تر کردو مزاج خانقاہی میں اسے

اس مرحلے پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ملائیت کے متعلق چند مسلمان مشاہیر کے خیالات کو پیش کیا جائے ۔ سب سے پہلے حافظ شیرازی جو مذہبی حلقوں میں کافی مقبول تھے کے چند اشعار ملائیت، کے متعلق پیش کیے جاتے ہیں

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند   چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش اے
دام تزویر مکن چوں دگراں قرآن را

اسد اللہ خان غالب کا ذیل کا قطعہ اس ضمن میں بطور تبرک پیش ہے

فرصت اگرت دست دہد مغتنم انگار   ساقی و مغنی و شرابے و سرودے
زنہار ازاں قوم نہ باشی کہ فریبند
حق را بہ سجودے و نبی را بہ درودے

جناب ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب مرحوم ہمارے زمانے کے بلند پایہ مفکر اور دانشور تھے ۔ انہوں نے بھی ملائیت پر اظہار خیال اپنے مقالے "اقبال اور ملا" میں کیا ہے ۔ اس کا ایک اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے ۔

اقبال نے دیکھا کہ مدعیان و حامیان شرع متین میں نہ افکار کی بلندی ہے اور نہ حوصلہ مندی نہ دل بیباک نہ مشرب ناب نہ دل گرم اور نہ نگہ پاک تو اس طبقے کو دین کے لئے ایک خطرہ کمجھا ۔ ایسے لوگوں کو جب سوجھے گی کوئی ادنیٰ بات ہی سوجھے گی ۔ کسی بلند مقصد کے لئے قربانی تو درکنار وہ مقصد ہی ان کی سمجھ میں نہ آئے گا ۔ چنانچہ تاسیس پاکستان ان کی جدوجہد میں ان کا یہ خیال درست ثابت ہوا ۔ بڑے خرقہ و عمامہ پوش محدث و مفسر اور فقیہہ اس تحریک کے

مخالف ہو کر متعصب اور مسلمان کش لوگوں کے ساتھ ہو کر ملت اسلامیہ سے آمادہ پیکار ہو گئے ۔ ملا کو اسلامی مملکت کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور اس میں ملا کہیں نظر نہ آئے ۔ (الا ما شاء اللہ) اس کے بعد خلیفہ صاحب یوں رقم طراز ہیں کہ ملا کی یہ کیفیت اس لئے ہوئی کہ وہ روح اسلام سے نا آشنا اور علوم و فنون اور زندگی کے حقائق سے بیگانہ ہو گیا ۔ ان کو اب مدرسہ میں جو علوم پڑھائے جاتے ہیں وہ فرسودہ ہو چکے ہیں ۔ منطق، فلسفہ و کلام کی وہی مسخ شدہ یونانی بحثیں، وہی اشاعرہ و معتزلہ، جبریہ اور قدریہ کے متکلمانہ مناظرے ۔ جب علم و عمل میں جمود طاری ہو جائے اور جامد لوگ ہی دین کے محافظ رہ جائیں تو ملت کا خدا حافظ ۔ ایسے لوگوں سے کسی خیر کی توقع نہیں ہو سکتی ۔

موضوع زیر بحث پر مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے بہت کچھ لکھا ہے ان کی تحریروں سے چند اقتباسات یہاں برائے ملاحظہ درج کئے جاتے ہیں ۔

اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی جو مختلف جماعتیں اسلام کے نام پر کام کر رہی ہیں اگر فی الواقع اسلام کے معیار پر ان کے نظریات اور کارناموں کو پرکھا جائے تو سب کی سب جنس فاسد نکلیں گی ۔ خواہ مغربی تعلیم و تربیت پائے ہوئے سیاسی لیڈر ہوں یا علمائے دین و مفتیان شرع متین ، دونوں قسم کے رہنما اپنے نظریے اور پالیسی کے لحاظ سے یکساں گم کردہ راہ ہیں اور دونوں راہ حق سے ہٹ کر تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں ۔

(ترجمان القرآن جلد ۱۷ عدد ۶ صفحہ ۳۹ ، ۸۳)

پھر جو لوگ رہنمائی کے لئے اٹھتے ہیں ان کی زندگی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ سی جھلک نظر نہیں آتی ۔ کہیں مکمل فرنگیت ہے اور کہیں نہرو و گاندھی کا اتباع ہے ۔ کہیں جبوں و عماموں میں سیاہ دل اور گندے اخلاق لپٹے ہوئے ہیں ۔ زبان سے وعظ اور عمل سے بدکاریاں ، ظاہر میں خدمت دین اور باطن میں خباثتیں اور غداریاں و نفسیاتی اغراض کی بندگیاں ۔

(تحریک آزادی ہند اور مسلمان ۱۰۳)

حضرت مفتی محمد عبدہ مرحوم ، مصر کے ممتاز عالم اور دانشور حضرت جمال الدین افغانی مرحوم و مغفور کے قریب ترین ساتھیوں میں سے تھے ۔ وہ جامعہ ازہر جو مذہبی علوم کی قدیم درسگاہ ہے ، میں معلم رہے تھے ۔ اس درسگاہ کے تعلیم یافتہ علماء کے متعلق ان کی رائے کا اظہار ان کے شاگرد علامہ رشید رضا مرحوم نے ان الفاظ میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ :۔

ان (مفتی محمد عبدہ) کا خیال تھا کہ علمائے ازہر اور اس قسم کے اور بڑے بڑے شیوخ و علماء وہ لوگ ہیں جن کی اصلاح کی امید باقی نہیں رہی ۔ جو شخص ازہر یا اس قبیل کے مدارس میں جتنی زیادہ مدت تک تعلیم حاصل کرتا ہے اتنی ہی اس میں تحصیل علم کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے ۔

تفسیر المنار ۔ جلد اول صحفہ ۔ ۱۸۱

مولانا ابو الکلام آزاد اپنے علم و فضل کی وجہ سے کسی تعارف کے محتاج نہیں ۔ وہ اپنی شہرت یافتہ تصنیف تذکرہ میں اس طرح گویا ہوتے ہیں :۔

مدتوں غور کے بعد یہ حقیقت کھلی کہ امت اسلامیہ کے مفاسد کی اصل جڑ دو ہی چیزیں ہیں جن کو یونانیت اور عجمیت سے تعبیر کرنا چاہئے ۔ سارے برگ و بار و ثمرات فساد کو انہیں سے ظہور و نمود ہوا ۔ آج ہمارے مدارس میں جو علوم باسم اصل و اساس اور علوم شرعیہ پڑھے پڑھائے جاتے ہیں ۔ اگر کسی صاحب حکمت کی نظر کیمیاوی ان کی تحلیل و تفرید کرے تو کھل جائے گا کہ ان کا کس قدر حصہ شریعت اصلیہ اور دین خالص سے مرکب ہے اور کس قدر اس فتنہ عالم آشوب یونانیت اور عجمیت سے ؟ کوئی شے اس سے نہ بچی حتی کہ علوم الہیہ و بلاغت بیان اور عملا جزئیات اعمال و رسوم دینیات معاشرت وغیرہ ذالک ۔ جب یہ حال علوم شرعیہ بلکہ نام نہاد دینیات کا ہے تو پھر ان اساطیر و اوہام کا کیا پوچھنا جن کو بہ لقب شریف معقولات پکارا جاتا ہے ۔

اس سلسلے میں حضرت علامہ نے نثر میں بھی اظہار خیال فرمایا ہے ۔ انہوں نے مارچ ۱۹۳۲ء میں مسلم کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا کہ :۔

ہمارے دین کی یہ بلندی نظر ملاؤں اور فقیہوں کے فرسودہ نظام میں جکڑی ہوئی ہے اور آزادی چاہتی ہے ۔ روحانی اعتبار سے ہم جذبات و حالات کے ایک قید خانے میں محبوس ہیں جسے صدیوں سے ہم نے خود اپنے گرد تعمیر کر رکھا ہے ۔ ہم بوڑھوں کے لئے شرم کا مقام ہے کہ نوجوانوں کو ان اقتصادی ، سیاسی ، بلکہ مذہبی بحرانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بنا سکے جو زمانہ حاضر میں آنے والے ہیں ۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ساری قوم کی موجودہ ذہنیت کو یکسر تبدیل کر دیا جائے ۔

حضرت قائد اعظم علی گڑھ یونیورسٹی میں خطاب فرما رہے تھے کہ ایک طالب علم نے ان سے سوال کیا کہ مسلم لیگ نے قوم و ملک کی کیا خدمت سر انجام دی ہے ۔ حضرت قائد اعظم نے فرمایا کہ مسلم لیگ کا سب سے بڑا مقصد پاکستان کا حصول ہے جو ہم ابھی تک حاصل نہیں کر سکے ہیں اس کے لئے کوشش جاری ہے اور انشاء اللہ ہم پاکستان حاصل کر کے دم لیں گے لیکن مسلم لیگ نے ایک کام تو ضرور کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو رجعت پسند عناصر کے چنگل سے چھڑا دیا ہے اور آپ کو اس طبقے کی جکڑ بندیوں سے نجات دلائی جس کو مولوی یا مولانا کے القاب عالیہ سے پکارا جاتا ہے

اسلام نظام حیات انسانیہ ہے اس لئے اس امر پر بڑی شدت کے ساتھ اصرار کرتا ہے کہ زندگی کے تمام شعبے اس کی تعلیمات کے مطابق استوار کئے جائیں ۔ لہذا جب تک ہمارے سیاسی معاشی اور معاشرتی غرضیکہ پوری زندگی قرآن کے مطابق تشکیل پذیر نہیں ہوتی اور جملہ کاروبار احکام الہیٰ کی پابندی میں نہیں چلائے جاتے ہم مومنین حقہ کا دعویٰ کرنے میں حق بجانب نہیں ہو سکتے ۔ مثال کے طور پر نے زمین کو الارض اللہ کہہ کر اس پر انسانوں کی ملکیت کی صاف الفاظ میں نفی کر دی اور اراضی کو قیامت تک آنے والی نسلوں کا ذریعہ معاش دیکر اس کی ذاتی ملکیت کو شرک سے تعبیر کیا ہے ۔ حضرت علامہ نے تو زمین پر ذاتی ملکیت جتانے والوں کو کافروں کی صف میں کھڑا کر دیا ہے ۔ فرمایا کہ :-

باطن الارض للہ ظاہر است
ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافر است

اس طرح اللہ تعالی نے فرمایا جو لوگ حکومت کا کاروبار قرآن مجید کے مطابق نہیں چلاتے وہ کافر ہیں ۔ بنا بریں جب تک ہمارا سیاسی اور معاشی ڈھانچہ مندرجہ بالا احکام سے سرکشی اور بغاوت کرتے ہوئے ملوکیت اور جاگیرداری کے غیر اسلامی نظاموں پر مبنی ہے ، ہماری رسمی عبادات ہمیں وہ مقام دلا نہیں سکتیں جو خدائے قدوس نے مومنین کے لئے متعین کیا ۔ اسلامی نظام کے نفاذ سے جن خصوصیات کا حامل معاشرہ معرض وجود میں آتا ہے اس کی ایک جھلک موجودہ سماجی حالت سے موازنے کی خاطر پیش کی جاتی ہے ۔ اسلامی معاشرہ ہر قسم کی اونچ نیچ سے پاک ہوگا ، ملک کے سب افراد اخوت ، مساوات ، ہم آہنگی ، یگانگت ، یک رنگی اور یک نگاہی کے کامل نمونے ہوں گے ۔ ان کا ہر فعل ایثار و قربانی ، صبر و استقلال ، بے خوفی بے باکی کا مظہر ہو گا ۔ اس معاشرہ میں نہ کوئی بھوکا ہوگا نہ ننگا اور نہ کوئی جاہل ۔ یہ معاشرہ حاکم و محکوم اور آقا و غلام کے امتیازات سے کلیتہ پاک ہو گا ۔ افراد ملت کی ضروریات احسن طریقے سے سر انجام دینے کا فریضہ

حکومت ادا کرے گی اور قوم کا ہر فرد اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق ملک کی دولت میں متواتر اضافہ کرنے کی کوشش میں ہمہ وقت مصروف رہے گا۔ اپنی کمائی ہوئی دولت میں سے اس قدر پاس رکھے گا جس سے اس کی بنیادی ضروریات اچھی طرح پوری ہو جائیں اور بقیہ فاضل دولت کو حکومت کی تحویل میں دے دے گا تاکہ جو افراد اپنی کمائی ہوئی دولت سے اپنی ضروریات پوری نہیں کر سکتے، اس جمع شدہ فاضل دولت سے ان کی آمدن کی کمی کو پورا کیا جائے گا۔ اس کا بہترین طریقہ یہی ہو گا کہ ایسے لوگوں کو ہنر کے ذریعے دولت کمانے کی استعداد میں اضافہ کیا جائے تاکہ قوم کی بحیثیت مجموعی دولت پیدا کرنے کی صلاحیت اس حد تک بڑھ جائے کہ ملک سے غربت اور تنگدستی اور جملہ اخلاق و کردار کی خوبیاں جو اس سے پیدا ہوئی ہیں ختم ہو جائیں جیسا کہ علامہ نے فرمایا ہے:

جملہ اسقام تو از ناداری است　　اصل علت با ہمیں بیماری است
آنچہ شیراں را کند روباہ مزاج　　احتیاج است احتیاج است احتیاج

اسلامی معاشرہ ہر قسم کی ناداری اور حاجت مندی سے کلی طور پر مبرا ہو گا۔ قرآنی احکام پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا شمار دنیا کی پست ترین قوموں میں ہونے لگا ہے۔ اس پستی کی وجہ ہماری بے حرکتی اور گوشہ نشینی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب سے پسندیدہ عمل جہاد ہے، لیکن علماء سو نے اپنی بے عملی سے مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو ٹھنڈا کر دیا ہے اور غیر اقوام نے مسلمانوں پر مشق ستم بلا خوف و خطر روا رکھی ہوئی ہے۔ اور مسلمان ان مظالم کا مقابلہ کرنے کی سکت اپنے آپ میں نہیں پاتا، وہ مسلمان جس نے قیصر و کسریٰ کے آہنی پنجوں کو توڑ مروڑ کر رکھ دیا اور دنیا کو علم و استعداد سے نجات دلائی تھی اور کئی صدیوں تک اسلام کی عظمت و سربلندی کے جھنڈے گاڑے تھے۔ آج کیوں اس قدر بے بس ہو گیا ہے کہ دنیا کی پست ترین اور حقیر قوموں کا بھی مقابلہ کرنے کا دم خم کھو چکا ہے۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ ان افسوسناک حالات کی ذمہ داری ان دینی تصورات کے باعث ہے جو اس طبقے نے مسلم قوم کو دین کے نظام پر دیے ہیں۔ جس کے باعث مسلمان قوم تفکر و تدبر اور تعقل کی صلاحیتوں سے محروم ہو چکی ہے اور پرلے درجے کے ذہنی جمود میں گرفتار ہے۔ اور جہاں یہ حالات پیدا ہو جائیں وہاں اخلاقی ترقی کے تمام راستے مسدود ہو جاتے ہیں اور ایسی قومیں ذلت و بربادی سے دوچار ہوتی ہیں بے دین ممالک اپنے علم و فراست کی بنا پر اوج ترقی پر ہیں۔

لادین قوموں نے علم اور غور و تفکر کی بدولت ترقی کی ہے اور ہم مسلمان ان چیزوں سے محروم ہیں۔ اگر مسلمان خود علم و عقل سے رہنمائی حاصل کرتے تو وہ بھی دنیا کی ترقی یافتہ قوموں

میں شمار ہوتے۔ مگر افسوس ایسا نہ ہو سکا۔ افراد ملت نے نہ تو اصلی اسلام پر عمل کیا اور نہ عقل ہی سے کام لیا۔ مسلمان قوم قعر مذلت میں ایسی پھنسی ہے کہ اس سے نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

اسلام ایک حقیقی عادلانہ اور مساویانہ نظام کا داعی ہے اور یہ نظام اللہ تعالیٰ کے احکام و اقدار کے مطابق زندگی کے تمام شعبوں کو استوار کرنے سے قائم کیا جا سکتا ہے۔ اسلامی سیاسی، معاشی، معاشرتی، تمدنی اور ثقافتی تمام شعبوں پر محیط ہے اور اگر زندگی کا کوئی گوشہ بھی قرآن سے مطابقت نہیں رکھتا اور غیر اسلامی انسان کے وضع کردہ اصولوں پر قائم ہے نہ تو اسلامی نظام کا نفاذ عملی شکل اختیار کر سکتا ہے اور نہ ہی اسلامی معاشرہ معرض وجود میں آسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ملک کا سیاسی نظام کتاب اللہ کے مطابق نہیں اور حکومت کے تمام فیصلے اس کے تحت نہیں ہوتے تو وہ نظام مملکت اسلامی کہلانے کا ہر گز مستحق نہیں ہو سکتا۔ اسلامی نظام میں غیر اللہ کے وضع کردہ اصولوں اور اقدار کا قطعاً عمل دخل نہیں ہو سکتا، چونکہ حق اور باطل ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ ملوکیت، آمریت اور سرمایہ داری غیر اسلامی بلکہ کافرانہ نظام ہیں اور ان کی موجودگی میں اسلامی نظام حیات کے چرچے محض پروپیگنڈا اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

ملوکیت، سرمایہ داری اور آمریت اسلام کے نظام میں حرام تصور ہو گی اور کسی فرد کو دوسرے افراد کے استحصال کی ہر گز اجازت نہ ہو گی۔ اسلامی معاشرے میں جاگیرداری اور زمینداری کا وجود ممکن نہیں۔ یہ غیر اسلامی اور کافرانہ نظریات کی پیداوار ہیں۔ اسلامی معاشرے کا قیام اسلامی مملکت یا اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا قیام ہے جو اسلام کا مقصود و منتہیٰ ہے۔ بنابریں پاکستان کا مطالبہ کیا گیا مگر بعض علمائے دین نے اس مطالبے کی شدومد کے ساتھ مخالفت کی اور اکھنڈ ہندوستان کی تائید میں ہندو اکثریت کا ساتھ دیا اور ستم بالائے ستم یہ کہ نظریہ پاکستان کی حمایت کرنے والوں کو جمعیت العلمائے ہند کے مقتدرہ ارکان کی طرف سے کافر ملحد قرار دیا گیا۔ اور بڑے زور شور سے اعلان کرتے رہے کہ ہندوستان میں کانگریس کی طرف سے مکمل مذہبی آزادی ہو گی اور دین کے ارکان یعنی نماز روزہ اور حج وغیرہ کی انجام دہی میں کسی پابندی کا اندیشہ نہیں اس لئے پاکستان کا مطالبہ غیر ضروری ہے۔ یعنی ان کے نزدیک اسلام صرف رسمی عبادات کا نام ہے۔ اور اسلامی حکومت کا تصور نعوذ باللہ بے جواز اور لایعنی ہے۔

اکھنڈ ہندوستان کی حمایت کرنے والوں کی طرف سے پاکستان میں اسلامی نظام قائم کرنے کا مطالبہ حیرت افزا اور خوش آئند ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا نفاذ ہی مقصود تشکیل پاکستان تھا بغیر اسلامی نظام قائم کئے پاکستان کا وجود بے معنی ہے۔ اسلامی معاشرے میں اطاعت کا مرجع خدائے بزرگ و برتر کی ذات یعنی اس کے احکام ہیں جو قرآن حکیم میں درج ہیں اور اسلامی نظام اللہ

تعالیٰ کے احکام کی حکومت اوور عملداری ہے کسی انسان کو حق حکومت حاصل نہیں۔ یہاں نہ کوئی حاکم ہے اور نہ محکوم۔ اللہ حاکم ہے اور سب انسان اس کے محکوم اور اطاعت گذار یعنی اللہ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے والے۔ یہاں صرف خدا کے احکام و اقدار کے مطابق وہ رول آف لاء کی عمل داری ہے۔

اسلامی معاشرے میں افراد ملت کی جملہ ضروریات زندگی کا پورا کرنا حکومت کا فریضہ دینی ہے۔ ہر فرد اپنی استعداد کے مطابق کام کرے گا۔ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھے رہنے والوں کی اس معاشرے میں قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ سب کو کام کرکے قومی دولت میں اضافہ کرنا ہوگا۔ ہر فرد اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے بعد اپنی فاضل کمائی حکومت کی تحویل میں دے گا وار حکومت اس کو رفاہ عامہ کے لئے استعمال کرے گی۔ اس معاشرے میں یہ عمل لوگ بہ طیب خاطر سر انجام دیں گے چونکہ احکام الٰہی کے مطابق عوام کے فائدے کے لئے دولت خرچ کرنے والا خسارے میں نہیں رہتا۔ قرآن حکیم مفاد عامہ کے لئے دولت خرچ کرنے کو تزکیہ نفس کا ذریعہ اور دین و دنیا کی بہتری کا ضامن قرار دیتا ہے اور جو لوگ دولت جمع کرتے ہیں اور خدا کی راہ یعنی ملک و قوم کے لئے خرچ نہیں کرتے اللہ ان کو اہل جہنم میں شمار کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو قوم بخل سے کام لیتی ہے اس کی امیدوں اور آرزوؤں کی کھیتیاں جھلس جاتی ہیں اور وہ کامرانیوں اور سربلندیوں سے ہمکنار نہیں ہوتی۔ دنیا اور آخرت میں نامرادی اور ذلت اس کا مقدر بن جاتی ہے، اس لئے قرآن حکیم نے زائد از ضرورت دولت کے خرچ کرنے کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔ قرآن حکیم کا دعویٰ ہے کہ نظام صلوٰۃ یعنی قرآنی نظام قائم ہونے سے تمام فواحش اور معاشرتی برائیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اسلامی نظام میں ہر قسم کی برائیوں اور جرائم کے اسباب و علل کی بیخ کنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت سے لازمی طور پر ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ نظام صلوٰۃ جو زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے! کے قیام سے معاشرہ ہر قسم کے فواحش اور برائیوں سے پاک ہو جاتا ہے لیکن مقام افسوس ہے کہ اس قدر عظیم الشان ہمہ گیر اصلاحی نظام کو ہماری مذہبی قیادت نے محض رسمی رکوع و سجود کے مکانکی اور بے نتیجہ عمل میں بدل دیا ہے جیسا کہ حضرت علامہ نے فرمایا ہے کہ:۔

سجدہء کز وے زمین لرزیدہ است ۔۔۔ بر مرادش مہر و مہ گردیدہ است
ایں زماں جز سر بزیری ہیچ نیست ۔۔۔ اندرو جز ضعف پیری ہیچ نیست

اسلامی معاشرہ ہر قسم کے خوف و غم سے کلی طور پر پاک ہوتا ہے ۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے تکرار کے ساتھ فرمایا کہ مومن ہر طرح کے خوف و حزن سے بری ہوتے ہیں ۔ کیا ہم مسلمان کسی ملک میں بھی خوف و حزن سے پاک فضا میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور کیا ہمارے علماء نے بھی ایسا فضا پیدا کرنے کی کوئی قابل ذکر کوشش کی ہے ۔ اسلام خوف و حزن کے اسباب و علل کی بیخ کنی کرتے ہوئے اسلامی معاشرے کی تشکیل کی راہ ہموار کرتا ہے ۔ خوف ، حکومت کے جبرو استبداد اور ذرائع رزق پر ناجائز اور غاصبانہ ذاتی ملکیت کے دعویدا زمینداروں اور جاگیر داروں کے ظالمانہ معاشی نظام کی پیداوار ہے ۔ اسلام اسی لئے ہر قسم کی ملوکیت اور آمریت کو کفر اور ظلم و فسق قرار دیتا ہے اور ذرائع رزق یعنی زمین پر ذاتی ملکیت کو شرک سے تعبیر کر کے ان کی جگہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت و رزقیت قائم کر کے ہر قسم کے خوف کا قلع قمع کرتا ہے ۔ اللہ کی حکومت میں خوف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ حزن غیر اسلامی معاشی نظام کا نتیجہ ہے ۔ غم معاشی بدحالی کا روگ ہے ۔ اس لئے اسلام ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے کہ ملت کا کوئی فرد بھی مالی مشکلات کا شکار نہ ہو اور اس کی ضروریات زندگی آسانی کے ساتھ پوری ہوں ۔ ان ضروریات کا پورا کرنا اسلامی مملکت کا دینی فریضہ ہے اور ہر فرد ملت کا فرض ہے کہ وہ اپنی استعداد کے مطابق پوری تندہی سے ملک کی مجموعی دولت میں اضافہ کرے اور اپنی کمائی ہوئی دولت سے اپنی ضروریات زندگی پوری کرنے کے بعد بقیہ فالتو رقم حکومت کی تحویل میں دے دے تاکہ ان رقوم کو ملک و قوم کی بہبود و فلاح اور ان افراد کی امداد پر خرچ کرے جو سخت محنت کے باوجود اپنی زندگی کے مصارف احسن طریقے سے برداشت کرنے کے قابل نہیں ہیں ۔ اس طرح ملت کا ہر فرد خوشحالی کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے اور روزی کی فکر سے آزاد ہو کر اپنی صلاحیتوں کو ملت کی خدمت اور بہبود کے لئے بطیب خاطر وقف کر دیتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت یا حکومت الٰہی کے قیام سے عدل و انصاف کی ضمانت فراہم ہو جاتی ہے اور کسی کو یہ اندیشہ نہیں رہتا کہ اس کے ساتھ کسی قسم کی نا انصافی اور زیادتی ہو گی ۔ اسلامی معاشرہ خوف و ہراس کی سوہان روح فضا سے کلی طور پر پاک ہوتا ہے ۔ اس لئے معاشرے کو خوف و خطر سے پاک کرنے کے لئے ملوکیت اور دیگر استبدادی اور استحصالی اداروں کا خاتمہ لازمی ہے ۔ حضرت علامہ نے تو خوف کو شرک اور آمریت کو کفر سے تعبیر کیا ہے فرماتے ہیں:

ہر کہ رمز مصطفیٰ فہمیدہ است
شرک را در خوف مضمر دیدہ است

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرہ کیوں کسی بھی مسلم ملک میں نظر نہیں آتا ۔

اس کا مجمل جواب تو یہی ہے کہ ہم نے قرآن حکیم پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے لیکن عمل کرنا تو درکنار بات اس سے بہت آگے نکل گئی ہے اور ہم نے تو قرآن کے احکام اور اصولوں کے خلاف کھلی بغاوت اور سرکشی اور انحراف کا رویہ صدیوں سے اپنا رکھا ہے۔ قرآن مجید کو بالائے طاق رکھ کر مختلف لوگوں کی لکھی ہوئی کتب کو وحی کا درجہ دے دیا گیا ہے اور اپنے معاملات کا ان کے مطابق تصفیہ کرنے کے عمل کو قرآن کی اطاعت تصور کر لیا گیا ہے، حالانکہ قرآن حکیم نہایت واضح الفاظ میں کتاب اللہ کے مطابق اپنے امور کے فیصلے نہ کرنے والوں کو کافر، ظالم اور فاسق قرار دیتا ہے۔ اس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے۔ جناب نبی اکرم کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے متنازعہ امور کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق کریں۔ یہ واضح حکم آیت ۴۸ / ۵ میں درج ہے

پس افسوس ہے ان پر جن کا شیوہ یہ ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں (یعنی اپنی راؤں اور خواہشوں کے مطابق احکام شرع کی کتابیں بناتے ہیں) پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے یعنی اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ کتاب الہی کے احکام ہیں اور یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہیں کہ اس کے بدلے میں ایک حقیر سی قیمت دنیاوی فائدے کی حاصل کر سکیں۔ پس افسوس ہے اس پر جو کچھ ان کے ہاتھ لکھتے ہیں اور افسوس اس پر جو کچھ وہ اس کے ذریعے کماتے ہیں ۷۸ / ۲

حضرت علامہ نے بھی اس موضوع پر اپنے مشہور لیکچروں میں اظہار خیال فرمایا ہے، چند اقتباسات یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) یہ قانونی ضوابط (فقہ) بالاخر انفرادی تعبیر کا مجموعہ ہیں۔ اس لئے انہیں حتمی اور قطعی سمجھ لینا غلط ہے۔

(۲) میں پوچھتا ہوں کہ کیا ان مذاہب فقہ کے بانیوں میں سے کسی نے بھی اپنی تعبیرات و تاویلات کو کبھی قطعی، کامل اور سہو و خطا سے بری سمجھا۔ کبھی نہیں۔ اس لئے دور حاضر کے اعتدال پسند مسلمان زمانے کے بدلے ہوئے حالات اور اپنے تجربہ کی روشنی میں فقہ کے اصول اساسی کی نئی تعبیرات کرنا چاہتے ہیں تو ان کا یہ طرز عمل بالکل بجا اور درست ہے۔ خود قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ حیات ایک ترقی پذیر عمل ارتقاء ہے اور اس کی مقتضی ہے کہ ہر نئی نسل کو اس کا حق ہونا چاہئے کہ وہ اپنی مشکلات کا حل خود تلاش کرے، وہ ایسا کرنے میں سلف کے عملی سرمایہ سے رہنمائی لے سکتے ہیں لیکن اسلاف کے فیصلے ان کی راہ میں روک نہیں بن سکتے۔

(۳) اسلام میں اجتہاد کا دروازہ بند کر دینا اسلام کے خلاف افتراء ہے۔ فقہ کے بعد حضرت علامہ احادیث کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

> رسول وحی کے اصولوں کا نفاذ اپنی قوم کی عادات و خصائل اور رسوم و رواج کی روشنی میں کرتے ہیں۔ اس طریق کار کی رو سے رسول کے احکام اس قوم کے لئے خاص ہوتے ہیں ان احکام کو آنے والی نسلوں پر من و عن نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ امام اعظم ابو حنیفہ نے اپنی فقہ کی تدوین میں حدیثوں سے کام نہیں لیا۔

اس کے بعد حضرت علامہ فرماتے ہیں کہ:۔

ان حالات کی روشنی میں، میں بھی یہ سمجھتا ہوں کہ ان احادیث کے متعلق جن کی حیثیت قانونی ہے، امام ابو حنیفہ کا طرز عمل بالکل معقول اور مناسب تھا۔ اور اگر آج کوئی وسیع النظر مقنن یہ کہتا ہے کہ احادیث ہمارے لئے من و عن شریعت کے احکام نہیں بن سکتیں تو اس کا یہ طرز عمل امام ابو حنیفہ کے طرز عمل سے ہم آہنگ ہو گا جس کا شمار فقہ اسلامی کے بلند ترین مقننین میں ہوتا ہے لیکن جائے حیرت ہے کہ موجودہ حنفی علماء نے خود اپنے مکتب فقہ کے خلاف امام ابو حنیفہ اور ان کے رفقاء کے فیصلوں کو ابدی اور غیر متبدل قرار دے رکھا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح امام ابوحنیفہ پر تنقید کرنے والوں نے ان فیصلوں کو ابدی اور غیر منبدل قرار دے لیا تھا جو عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام میں پیش آمدہ مقدمات کے سلسلے میں نافذ ہوئے تھے۔

اس کے بعد حضرت علامہ فرماتے ہیں کہ سب سے اہم سوال جو مسلم اقوام کے سامنے آنے والا ہے یہ ہے کہ کیا اسلامی قوانین شریعت میں ارتقاء کی گنجائش ہے یا نہیں۔ یہ سوال بڑا اہم ہے اور بڑی ذہنی جدوجہد کا متقاضی۔ اس سوال کا جواب یقیناً اثبات (ہاں) میں ہونا چاہئے۔ بشرطیکہ دنیا اس کی طرف حضرت عمر کی روح کو لے کر آگے بڑھے وہ عمر جو اسلام کا سب سے پہلا محقق اور حریت پسند دل و دماغ کا مالک تھا۔ اور وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری لمحات میں یہ کہنے کی جرآت نصیب ہوئی کہ حسبنا کتاب اللہ، ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔

حضرت فاروق اعظم کا مندرجہ بالا قول انؓ کے تفقہ فی القرآن کا بین ثبوت ہے اور ایسا ہمہ گیر انقلابی اعلان اس امر کی دلالت ہے کہ حضرت عمر کا قرآن حکیم کا مطالعہ کس قدر وسیع اور اس کی

آیات مبارکہ پر تفکر و تدبر کتنا گہرا عمیق تھا وہ سمجھتے تھے کہ قرآن عظیم زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اور زندگی کے جملہ مسائل کا محکم اور یقینی حل اس میں موجود ہے یہ اعلان کرتے وقت ان کی نظر سورہ مائدہ کی آیات ۴۵ / ۴۸ پر ہو گی جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ افراد امت کے متنازعہ امور کے فیصلے وحی الہی کے مطابق جو تم پر نازل کی گئی ہے کریں اور عام مسلمانوں کو بھی متنبہ کیا گیا ہے کہ جو اپنے امور کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق نہیں کرتے وہ کافر، ظالم اور فاسق ہیں - یہ عظیم الشان اعلان قرآن حکیم کو زندگی کے تمام شعبوں پر محیط کر کے اس عظیم کتاب کو امور زندگی کے فیصلے کرنے کا حتمی اور واحد ذریعہ قرار دیتا ہے -

ہماری پسماندگی اور ناگفتہ بہ زبوں حالی کی سب سے بڑی وجہ دین کا وہ تصور ہے جو ہمارے علماء سؤ نے مسلمان کو دیا ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے اور بہ بانگ دہل بلا کسی خوف تردید کے کہی جا سکتی ہے کہ ہماری ناقابل رشک بلکہ ناگفتہ بہ حالت کا واحد علاج قرآن کے جملہ احکام سے اجتماعی طور پر والہانہ وابستگی میں مضمر ہے او رجب تک مسلمان مختلف فرقوں کو چھوڑ کر اور غیر اللہ کی اطاعت کر کے منشائے الہی کے مطابق قرآن کے احکام کو زندگی کے تمام گوشوں اور شعبوں پر کامل طور پر نافذ نہیں کرتے ان کی موجودہ پستی کا مداوا کبھی نہیں ہو سکتا - اور یہ مقصد قرآن مجید پر تفکر و تدبر اور اجتہاد کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور یہ کام تفقہ فی القرآن اور علوم جدیدہ کے ماہرین کے ہاتھوں سے ہی انجام پا سکتا ہے -

صلواۃ و مناجات

موضوع بالا پر علامہ کے وضاحتی اشعار

کہا مجاہد ترکی نے مجھ سے بعد نماز
طویل سجدہ ہیں کیوں اسقدر تمہارے امام
وہ سادہ مرد مجاہد وہ مومن آزاد
خبر نہ تھی اسے کیا چیز ہے نماز غلام
ہزار کام ہیں مردانِ حر کو دنیا میں
انہیں کے ذوق عمل سے ہیں امتوں کے نظام
طویل سجدہ اگر ہیں تو کیا تعجب ہے
ورائے سجدہ غریبوں کو اور ہے کیا کام
خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو
وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام

وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب
سنی نہ مصر و فلسطیں میں وہ اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب

تیرا امام بے حضور تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گزر ایسے امام سے گزر

یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محراب مسجد پر
یہ نادان گر گئے سجدہ میں جب وقت قیام آیا

تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال
تری اذاں میں نہیں ہے مری سحر کا پیام

یہ ذکر نیم شبی یہ مراقبے یہ سرور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ حکمت ملکوتی یہ علم لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

اے شیخ امیروں کو مسجد سے نکلوا دو
ہے ان کی نمازوں سے محراب ترش ابرو

کر سکتی ہے بے مرگ جینے کی تلافی
اے پیر حرم تیری مناجات سحر کیا ؟

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہے تو باقی نہیں ہے

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

حق را بسجودے صنماں را بطوافے
بہتر ہے چراغ حرم و دیر بجھا دو
میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل !
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات

وہ مذہب مردان خود آگاہ و خدامست　　یہ مذہب ملا و جمادات و نباتات

مسجد میں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے　　یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

مست رکھو ذکر و فکر صبحگاہی میں اسے

پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

لاالہ اندر نمازش بود نیست　　نازہا اندر نیازش بود نیست

نور در صوم و صلوٰہ او نماند　　جلوہ ہا در کائنات او نماند

آنکہ بود اللہ او را ساز و برگ　　فتنہ او حب مال و ترس مرگ

سجدہء کز وے زمین لرزیدہ است　　بر مرادش مہر و مہ گردیدہ است

ایں زماں جز سربزیری ہیچ نیست　　اندرو جز ضعف پیری ہیچ نیست

ذکر ذوق و شوق را دادن ادب　　کار جان است ایں نہ کار کام و لب

مندرجہ بالا اشعار سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت علامہ نے صلوٰہ کے قرآنی مقصد کو بصراحت پیش کرنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے تاکہ اس اہم اور بنیادی رکن کا صحیح تصور مسلمانوں پر واضح ہو جائے ۔ علما نے لغت کی رو سے صلوٰہ کا بنیادی مفہوم احکام الہی کی دائمی اور پوری وابستگی اور دلجمعی کے ساتھ پیروی اور اللہ تعالیٰ کے احکام و قدار سے چمٹے رہنا اور ان کے مطابق زندگی کے تمام گوشوں کی تشکیل و تعمیر ہے ۔ اس عمل کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں صلوٰہ کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا ہے ۔ قرآن حکیم نے اقامت صلوٰہ کے مفاہیم اور مقاصد کو سورہ فاتحہ میں نہایت واضح الفاظ میں بیان کیا ہے ۔ اول یہ کہ حمد و ستائش کے لائق وہ ہستی باری تعالیٰ ہے جس نے جملہ بنی نوع انسان کی پرورش کے لئے سامان رزق پیدا کیا ہے اور نسل انسانی کے مقصد

حیات کے حصول کے لئے علم و تربیت کا انتظام کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر ذی حیات کے رزق کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں۔ انسان کے لئے روٹی و کپڑا اور مکان فراہم کرنے کی ذمہ داری لے کر اس کو تمام قسم کی معاشی پریشانیوں اور دوسرے کی محتاجی سے نجات دلا دی اور شرط صرف یہ عائد کی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی جائے جو اس کی فلاح و بہبود کے ضامن ہیں۔ دوسرے مکافات عمل کے اٹل قانون کو نافذ کر کے انسان کو بتا دیا کہ احکام کی پابندی اور پیروی میں دین و دنیا کی کامرانیوں اور سرفرازیوں کا راز مضمر ہے اور ان کی خلاف ورزی میں ذلت و خواری کی زندگی پنہاں ہے۔

صوم و صلوٰۃ کا مطلب صرف اور صرف احکام الٰہی کی اطاعت ہے اور غیر اللہ کی پیروی اور ان کو استعانت اور امداد کے لئے پکارنا ناجائز قرار دے کر اللہ نے انسان کو تمام شخصی غلامیوں سے آزاد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت خود انسان کے اپنے مفادات کی حفاظت اور نگہداشت کے لئے ہے۔ اس کا نتیجہ ہر قسم کے خوف اور غم و محن سے پاک کامیاب و کامران زندگی ہے جس میں انسان کی خودی یا ذات اپنی ارتقائی منازل بلا خوف و خطر طے کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت، فلاح و بہبود دارین کی ضامن ہے اور یہ فلاح اسلامی نظام کے قیام ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ اجتماعی عمل ہے اور افراد ملت کی پر خلوص کوششوں ہی سے قائم ہو سکتا ہے۔ جب یہ نظام قائم ہو جاتا ہے تو ملت کے ہر فرد کی زندگی احکام الٰہی کے مطابق ڈھل جاتی ہے اور وہ اس نظام کا نقیب اور علمبردار بن جاتا ہے۔ یہ ہیں صلوٰۃ کے وہ مفاہیم اور مقاصد جو سورہ فاتحہ یا سورہ صلوٰۃ ہم پر واضح کرتی ہے۔

سورہ ہود میں ہے کہ جب حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو صلوٰۃ کے قیام کی تلقین کرتے ہیں تو قوم کے لوگ ان سے کہتے ہیں کہ آپ کی صلوٰۃ کا یہ مطلب ہے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے طور طریقے چھوڑ دیں اور خون پسینہ ایک کر کے کمائی ہوئی دولت کو اپنی مرضی سے خرچ نہ کریں بلکہ اس کو آپ کے حکم کے مطابق خرچ کریں۔ اس سے صلوٰۃ کا مطلب و مقصد آباؤ اجداد کے اور اسلاف کے معتقدات اور نظریات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام و اقدار کی پیروی اور مکمل اطاعت کا نام ہے اور دوسرے اپنے معاشی نظام کو اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق متشکل کرنے ہی سے اقامت صلوٰۃ کا عمل پورا ہوتا ہے۔ الحاصل اقامت صلوٰۃ کا مقصد زندگی کے تمام شعبوں کو خدا کے احکام کے مطابق استوار کرنے سے ہی پورا ہو سکتا ہے۔ جب تمام شعبے احکام الٰہی کے مطابق تشکیل پا جائیں تو اقامت صلوٰۃ کا عمل پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ یعنی نظام اسلام قیام پذیر ہو جاتا ہے۔ لہذا حقیقت میں اقامت صلوٰۃ کا مطلب اقامت دین ہے۔ اقامت صلوٰۃ کی خاطر

اجتماعات مساجد میں ہوتے تھے ان کا مقصد بھی اسلام کے نظام حیات کا نفاذ ہے۔ ان اجتماعات میں بھی مومنین کو فلاح عوام کے لئے بلایا جاتا ہے جس کا مقصد صرف سجدہ و سجود نہیں۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اسلام میں عبادت کا مطلب پوجا پاٹ نہیں ہے۔ خالق کائنات جیسی عظیم ترین اور ہر قسم کی حمد و شرف کی مالک اور غنی و بے نیاز ہستی کی یہ ہرگز خواہش نہیں ہے کہ اس کے بندے کی اس کے سامنے سجدہ پاشیاں کریں اور اس بے ہمتا ہستی کو خوش کر کے اپنی خواہشات اور آرزوؤں کی تکمیل کا ذریعہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مطلب و مقصد اس کے احکام کی تعمیل اور اطاعت ہے اور اسی کا نام اللہ تعالیٰ کی محکومیت اور عبودیت اختیار کرنا ہے۔ زندگی کی خوشگواریوں اور سربلندیوں کے حصول کا ذریعہ اللہ کے قوانین کی اطاعت ہے۔ یہ مقصد عادتاً رسمی رکوع و سجود اور تسبیح و مناجات سے حاصل نہیں ہو سکتا اور اس سے اقامت صلوٰۃ کا مقصد پورا نہیں ہوتا جبکہ رکوع و سجود خدا کے قوانین کی اطاعت کا ذریعہ نہیں بنتے اور ان کے مطابق افراد کی تعمیر خودی اور معاشرے کی تشکیل نہیں ہوتی اور خدائے بزرگ و برتر کی اطاعت کے علاوہ ہر قسم کی شخصیت پرستی کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ علامہ فرماتے ہیں

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام   کہ جس سے ہو ہر سجدہ تجھ پہ حرام

حقیقی الٰہ کی بارگاہ عالی میں سجدہ ریز ہونا اس کے احکام و قوانین کی کامل اطاعت کا مظہر ہے نہ کہ خالق کائنات کی پرستش یا پوجا پاٹ۔ اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کی محکومیت اور عبودیت اختیار کر کے ہر قسم کے غیر اللہ کی اطاعت اور غلامی سے احتراز ہے خدائے وحدہ لاشریک کی اطاعت اختیار کرکے افراد ملت ہر قسم کی شخصی غلامی اور غیر کی فرمانبرداری سے آزاد ہو جاتے ہیں اور معاشرے میں خدا کے احکام و اقتدار کا بول بالا ہوتا ہے اور نفاذ عمل میں آجاتا ہے۔ اس طرح احکم الحاکمین کی حاکمیت جو اسلام کی تعلیم کا مقصد منتہیٰ ہے، قائم ہو جاتی ہے اور افراد ہر قسم کے خوف و غم سے آزاد ہو جاتے ہیں اور جنتی معاشرہ معرض وجود میں آجاتا ہے جس میں انسانی زندگی کی تمام ضروریات احسن طریقے سے پوری ہوتی ہیں اور اس کی خودی یا ذات کی نشوونما بھی بہترین طور پر ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں مومنین کے متعلق فرمان الٰہی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو تمکن فی الارض یا حکومت حاصل ہو گی تو یہ اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے فرائض سرانجام دیں گے۔ اس آیت مبارکہ سے صلوٰۃ کے مفہوم پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔ نماز تو ہر حالت میں فرض ہے اس کے لئے حکومت کا حاصل ہونا شرط نہیں ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ مومنین کو جب تمکن فی الارض حاصل ہوتا ہے تو اقامت صلوٰۃ کا فریضہ ادا کرتے ہیں، اس امر کو واضح کرتا ہے کہ

اقامت صلوٰۃ کا مطلب صرف عام فہم میں نماز کی ادائیگی یا رکوع و سجود نہیں چونکہ نماز تو مسلمان پر ہر حالت اور ہر مقام زندگی میں واجب ہے ، اس لئے اس کا مطلب نظام صلوٰۃ کا قیام ہے یعنی زندگی کے ہر شعبے کو احکام الہیٰ کے مطابق استوار کر کے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا قیام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی نماز کے متعلق فرمایا ہے کہ صلوٰۃ کے قیام سے ہر قسم کے فواحش اور برائیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور جنتی معاشرہ ظہور پذیر ہو جاتا ہے اس سے یہ امر بالکل عیاں ہے کہ محض رکوع و سجود کے عمل سے معاشرے کی برائیوں کا خاتمہ نہیں ہو جاتا ۔ عام مشاہدے کی بات ہے بعض نماز ادا کرنے والے بھی اخلاقی برائیوں میں ملوث اور بعض بڑے سنگین جرائم کے مرتکب پائے گئے ہیں ۔ رکوع و سجود کا حقیقی مفہوم اور مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام کی مکمل اطاعت اور پر خلوص فرما نبرداری ہے نہ کہ محض رسمی اور میکانکی نماز کی حرکات و سکنات ۔

ان حرکات کا مقصد افراد ملت کو ذہنی طور پر خدا کے احکام کی کلی طور پر اطاعت اور اجتماعی لحاظ سے اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے تیار کرنا ہے ۔ صلوٰۃ کے رکوع اور سجدے جو قوم میں خدا کی اطاعت کا جذبہ پیدا کریں ، لائق اہتمام ہیں ۔ حضرت علامہ نے مروجہ نماز کے متعلق فرمایا ہے کہ ۔:۔

سجدہء کز وے زمین لرزیدہ است ؎ بر مرادش مہر و مہ گرویدہ است
لیکن زماں جز سر بزیری ہیچ نیست ؎ اندرو جز ضعف پیری ہیچ نیست

وہ سجدہ روئے زمین جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

در بدن داری اگر سوز حیات ؎ ہست معراج مسلمان در صلوٰۃ
ورنہ داری خون گرم اندر بدن ؎ سجدہ ء تو نیست جز رسم کہن

یہ خون گرم کیا ہے یہ وہ جذبہ عشق ہے جو مومن کو خدا کے نظام کے قیام کے لئے

آمادہ جدوجہد کر کے اس کو غیر اسلامی طریق و سلاسل کو راستے سے ہٹانے کے لیے آمادہ پیکار و جہاد کرتا ہے۔

درود کے عمل کے متعلق فرماتے ہیں

چوں بنام مصطفیٰ خوانم درود از خجالت عرق می گردو وجود
عشق میگوید کہ اے محکوم غیر سینہ تو از بتاں مانند دیر
چوں نداری از محمد رنگ و بو
از درود خود میالا نام او

محکوم غیر کا مطلب غیر اللہ کی اطاعت ہے جو شرک ہے۔ اسی طرح پنجگانہ نماز پڑھ کر دین متین کو عملی طور پر زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ نہیں کیا جاتا تو مقصد صلوٰۃ پورا نہیں ہوتا اور قیام صلوٰۃ کا عظیم الشان اور ہمہ گیر عقیدہ ایک رسم کہن بن کر رہ جاتا ہے۔

جیسا حضرت علامہ نے فرمایا:

گر نداری خون گرم اندر بدن سجدۂ تو نیست جز رسم کہن

خون گرم یا جذبہ جہاد تو مسلمان صدیوں سے کھو چکے ہیں اور اب صوم و صلوٰۃ کی عادتاً اور رسمی ادائیگی کر کے اپنے آپ کو اور شاید اللہ تعالیٰ کو بھی فریب دیتے ہیں، کہ دین کے ارکان کی رسمی ادائیگی کر کے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور وہ جنت کے وارث بن چکے ہیں۔ اس غلط تصور نے مسلمانوں کو نہ دین کا چھوڑا اور نہ دنیا کا اور وہ خسران دارین کے شدید عذاب میں مبتلا ہیں۔ کافر اقوام ان کا مذاق اڑاتی ہیں اور آئے دن ان کو ذلیل و رسوا کر کے اپنی کامیابیوں اور مسلمان کی ذلت و تباہی پر خوشیوں کے راگ الاپتی اور شہنائیاں بجاتی نظر آتی ہیں، لیکن مسلمان ایسے خواب خرگوش میں مبتلا ہیں کہ ان میں اپنی ذلت و بربادی کا احساس تک ختم ہو چکا ہے۔

علامہ فرماتے ہیں:

وائے محرومی متاع کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے ساقی

اے مسلماں اپنے دل سے پوچھ ملا سے نہ پوچھ
ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم

اور یہ سب کچھ ان غیر اسلامی تصورات کی وجہ سے ہے جو ہمارے علماء نے مسلمان قوم کو قرآن کے انقلاب آفرین فلسفہ حیات کو نظر انداز کرتے ہوئے دیئے ہیں۔ مسلمان کو انٹ شنٹ تصورات دے کر اس کا رشتہ قرآن حکیم کے انقلابی اور اٹل قوانین سے کاٹ دیا اور اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ دنیا کے تمام مسلمان ممالک میں ملوکیت، سرمایہ داری اور مذہبی پیشوائیت کا، جن کو اسلام ختم کرنے کے لئے آیا تھا، صدیوں سے دور دورہ ہے اور اسلام صرف رسمی نماز روزہ اور حج و قربانی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

علامہ فرماتے ہیں۔

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

تفرقہ و فرقہ بازی

چیست ملت اے کہ گوئی لا الہ
با . ہزاراں چشم بودن یک نگہ
اہل حق را حجت و دعویٰ یکے است
خیمہ ہاے ما جدا دلہا یکے است
یک نگاہے را بہ چشم کم مبیں
از تجلی ہائے توحید است ایں
ذرہ ہا از یک نگاہے آفتاب
یک نگہ شو تا شود حق بے حجاب
مردہٴ از یک نگاہی زندہ شو
بگذر از بے مرکزی پایندہ شو

ملت از یک رنگی دلہا ستے
روشن از یک جلوہ ایں سینا ستے
قوم را اندیشہ ہا باید یکے
در ضمیرش مدعا باید یکے
جذبہ باید . در سرشت او یکے
ہم عیار خوب و زشت او یکے
مدعائے ما مآل ما یکے است
طرز و انداز خیال ما یکیست

جوہر ما با مقامے بستہ نیست
بادہٴ تندش بجامے بستہ نیست
ہندی و چینی سفال جام ماست

رومی و شامی گل اندام ماست
قلب ما از ہند و روم و شام نیست
مرزبوم او بجز اسلام نیست

عقدهٔ قومیت مسلم کشود
از وطن آقائے ما ہجرت نمود
حکمتش یک ملت گیتی نورد
بر اساس کلمهٔ تعمیر کرد
بر نسب نازاں شدن نادانی است
حکم او اندر تن و تن فانی است

مذہب او قاطع ملک و نسب
از قریش و منکر از فضل عرب
در نگاه او یکے بالا و پست
باغلام خویش بر یک خواں نشست
رشتۂ دیں چوں فقیہاں کس نہ رشت
کعبہ را کردند آخر خشت خشت
کیش مارا ایں چنیں تاسیس نیست
فرقہ اندر مذہب ابلیس نیست

برتر از گردوں مقام آدم است
اصل تہذیب احترام آدم است
آدمیت احترام آدمی

باخبر شو از مقام آدمی

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر
جو کرے گا امتیاز رنگ و بو مٹ جائے گا
ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہگذر

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا

غبار آلودہ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

حضرت علامہ اقبال نے مسلمانوں میں فرقہ بندی اور ان کے باہمی انتشار و افتراق اور ہر قسم بندیوں اور نسب اور ملک و قومیت پر تفاخر کو مسلمان قوم کیلئے زہر ہلاہل تصور کیا ہے اور ان غیر اسلامی عوامل کے نتیجہ میں جو نفرت و حقارت اور عداوت پیدا ہوتی ہے اس کی سخت مذمت کی ہے تاکہ ملت کو ان خطرناک رجحانات سے ، جنہوں نے اس کی جمعیت اور ملی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے ، محفوظ کیا جائے ۔

جب تک مسلمان باہمی تفرقات، فرقہ بازیوں اور گروہ بندیوں کو ترک نہیں کرتے ان میں یک رنگی، ہم آہنگی اور وحدت فکر و عمل پیدا نہیں ہو سکتی جو اسلام کا مقصد اولیٰ ہے۔ اسلام کا مقصود و منتہیٰ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے اشتراک کی بنا پر عالمگیر برادری کی تشکیل ہے جس کی ابتداء ہر قسم کے اختلافات سے پاک ملت مسلمہ سے کی گئی ہے۔

ایک خدا ایک ضابطہ حیات اور زندگی کا ایک مقصد رکھنے والوں میں انتشار و افتراق کی موجودگی نہایت افسوسناک ہے۔ اختلافات اور فرقہ بندیاں قرآن حکیم پر ایمان محکم اور اس کو اپنے جملہ معاملات کے تصفیے کے لیے آخری حکم اور خلوص نیت سے حجت تسلیم کرنے سے ہی دور ہو سکتے ہیں۔

تفرقہ بازی اور انتشار و افتراق کتاب اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کے احکام و تصورات کی اطاعت اور پیروی کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ فرقہ بازی اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک ہے جو ظلم عظیم اور ناقابل معافی گناہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ مشرکوں میں نہ ہو جانا جنہوں نے دین میں رخنے ڈال کر ملت کو فرقوں میں بانٹ دیا۔ اور پھر ہر فرقہ اپنے معتقدات میں مگن اور فرحان ہو گیا اور دوسروں کو بھٹکا ہوا تصور کرنے لگا۔

دوسری جگہ فرمایا کہ جن لوگوں نے دین میں رخنے ڈال کر مسلمانوں کو گروہ بندیوں میں تقسیم کر دیا ان کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتہ کٹ جاتا ہے۔ یعنی وہ دائرہ ملت سے خارج ہو جاتے ہیں:

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندہ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا
بر نسب نازاں شدن نادانی است
حکم او اندر تن و تن فانی است
قلب ما از ہند و روم و شام نیست
مرزبوم ما بجز اسلام نیست

مقام افسوس ہے کہ پاکستان جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، نسلی اور جغرافیائی امتیازات اور تعصبات میں گرفتار ہے۔ یہاں سندھی، بلوچی، افغانی اور پنجابی کہلانے والوں میں جذبہ اخوت اور مروت مفقود نظر آتا ہے اور سیاسی اغراض کی خاطر صوبہ پرستی کے جذبات کو ابھارا جا رہا ہے اور قومی وحدت کو ذاتی وقار کے لئے داؤ پر لگانے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ جب تک مذہبی اور سیاسی فرقہ اور تفرقہ بازیوں اور صوبائی تعصبات اور نسلی جذبات کو ختم نہیں کیا جاتا،

وحدت ملت کی اساس پر اسلامی نظام کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اسلام اجتماعی نظام حیات ہے اور جب تک مسلمانوں میں امت واحدہ کی یک رنگی اور ہم آہنگی پیدا نہیں ہوتی نفاذ اسلام کا عمل کبھی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ ملت مسلمہ انسانوں کے اس گروہ سے متشکل ہوتی ہے جس کا قانون و آئین ایک ہو۔ مطمح نظر اور مقصد حیات ایک ہو۔ معیار حق و باطل اور جائز و ناجائز ایک ہو جس کی اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدائے واحد لاشریک کی ذات بے ہمتا ہو اور جس کی تمام اطاعت گذاریاں اور وفا کیشیاں اسی کے لئے مخصوص ہوں اور جو قرآن عظیم کے پیش کردہ اسوۂ حسنہ اور سیرت کو مشعل رہ بنا کر آزمائشوں اور قربانیوں کا متقاضی سفر زندگی مجاہدانہ استقامت و شجاعت سے طے کرے۔ اس کے لئے مسلم قوم کے تمام افراد کا یک رنگ ہونا از بس لازمی ہے۔ حضرت علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ:۔

ملت از یک رنگی دلہاستے
روشن از یک جلوہ ایں سینا ستے
قوم را اندیشہ ہا باید یکے
در ضمیرش ، مدعا باید یکے
جذبہ باید در سرشت او یکے
ہم عیار خوب و زشت او یکے

حضرت علامہ اقبال نے وطن پرستی، جو اسلام کی روح کے خلاف ہے، کی سخت مذمت کی ہے۔

علامہ فرماتے ہیں ا

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

پاک ہے گرد وطن سے سر داماں ترا!
تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں ترا

علامہ نے وطن پرستی کی مذمت یورپ میں نیشنلزم یا قومیت پرستی کے تباہ کن اثرات کو

پیش نظر رکھتے ہوئے کی ہے اور مسلمانوں کو اس قومیت پرستی کے زہر سے اپنے آپ کو محفوظ و مامون کرنے کے لئے اس سے اجتناب کی تلقین فرمائی ہے ، لیکن افسوس ہے کہ اہل یورپ کی وجہ سے قومیت پرستی کی لعنت عرب و عجم کے اسلامی ممالک میں وبا کی طرح پھیل گئی اور خصوصاً عرب ممالک اپنے نسلی اور علاقائی امتیازات اور مفادات کی خاطر کئی چھوٹی چھوٹی مملکتوں میں تقسیم ہو گئے ہیں - جو اجتماعی قوت کے فقدان کی وجہ سے اپنی دفاعی صلاحیتوں سے بھی عاری نظر آتے ہیں - اور مٹھی بھر اسرائیلی ان کو ناک چنے چبوا رہے ہیں - اور آئے دن عرب ممالک پر حملے کر کے قتل و غارت کے طوفان کو بغیر کسی روک ٹوک جاری رکھے ہوئے ہیں - یہ سزا قوم کو اپنے اتحاد اور اجتماعی طاقت کو پارہ پارہ کر کے دنیا کی بد نام ترین یہود قوم کے ہاتھوں مل رہی ہے - تقریباً اسی نوے کروڑ مسلمان اپنے آپ کو اس کل کی ابھری ہوئی قوم کے مقابلے میں بے بس و لاچار پاتے ہیں - اور جس ذلت و تباہی سے وہ مسلمانوں کو دو چار کر رہے ہیں - اس کا تصور کر کے ہی اہل درد انسان کی روح تڑپ اٹھتی ہے - یہ قدرت کی طرف سے مسلمانوں میں انتشار و افتراق اور تفرقہ بازیوں اور گروہ بندیوں کی سزا کے تازیانے ہیں - مسلمانان عالم کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اسرائیل ایک بڑی طاقت بن کر ابھر رہا ہے اور یہ بات بھی اب یقینی ہے کہ اس نے ایٹم بم وغیرہ بھی تیار کر لئے ہیں - اور اس کی تمام اسلحہ سازی اور طاقت مسلمانوں کے خلاف استعمال ہو گی - اور جو وہ اپنی طاقت جمع کر رہا ہے - اس کو وہ پہلے عرب ممالک کے خلاف استعمال کرے گا اور پھر دوسرے مسلم ممالک کو اپنا ہدف بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا - یہودیوں کا یہ مذہبی عقیدہ ہے کہ حق و باطل کی آخری جنگ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ہو گی - اور وہ اس جنگ کے لئے بھر پور تیاری کر رہا ہے - لیکن مسلمان ممالک کبوتر کی طرح آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں اور محو خواب خرگوش ہیں -

اکثر عرب ممالک کو اللہ تعالیٰ نے تیل کی بے بہا دولت سے نوازا ہے اور یورپ اور امریکہ کے بنکوں میں ان کی دولت کی انبار لگے ہوئے ہیں - اگر وہ دولت کو اپنی حفاظت اور بقاء کے لئے استعمال نہیں کریں گے تو پھر یہ بے شمار دولت کس کام آئے گی -

حضرت علامہ نے وطن پرستی کی نفی کی ہے اور اس کو اسلامی روح کے خلاف قرار دیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ وہ وطن کی مذمت کرتے ہیں اور وطن کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھنے کا درس دیتے ہیں - وطن اور جنم بھومی سے لگاؤ اور محبت انسان کا فطری جذبہ ہے

معاشی نظام

انسان کے لئے روٹی کا مسئلہ بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے اور جو نظام اس کا تسلی بخش حل پیش نہیں کرتا وہ ناقص ہے اور انسان کی فلاح و بہبود کی ضمانت دینے کی صلاحیت سے عاری ہونے کی وجہ سے عوام الناس کی جانب سے قبولیت کا شرف حاصل نہیں کر سکتا۔ اس مسئلے کا صحیح حل انحصار رزق یا سامان زیست کا سر چشمہ زمین کے متعلق عدل و انصاف پر مبنی تصورات سے وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے الارض یعنی زمین اور اس میں مدفون ذرایع پیداوار کو موجود اور آنے والے انسانوں کے لئے رزق کا ذریعہ بنایا ہے۔ یہ بنی نوع انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کا گراں بہا عطیہ ہے۔ اسی طرح پانی، ہوا، روشنی بھی خالق کائنات کے بے بہا عطیے ہیں اور ان ذرائع رزق کو انسان کی پیدائش سے پہلے فراہم کر دیا گیا تاکہ اس کو رزق کے حصول میں مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہ رزق کے خزانے جملہ انسانوں کے یکساں اور برابر استفادے کے لئے ہیں اس لئے ان پر ملکیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انسان کی تخلیق کے اولیں ادوار میں اسی اصول پر عمل ہوتا رہا اور تمام انسان رزق کے ذخیروں سے یکساں طور پر مستفید ہوتے رہے لیکن آبادی کے بڑھ جانے سے خود غرض اور طاقتور لوگ زمین کے ٹکڑوں پر غاصبانہ قبضہ جما کر ان کے مالک بن بیٹھے اور اس طرح کمزور انسانوں کے استحصال کا ظالمانہ دور شروع ہو گیا۔ وقت گذرنے پر ہر ملک میں بڑے بڑے زمینداروں کے طاقتور طبقے پیدا ہو گئے اور انہوں نے اللہ کی بیشتر مخلوق کو اپنا محتاج اور دست نگر بنا لیا اور اپنا خون پسینہ ایک کر کے رزق پیدا کرنے والوں کو اپنا زر خرید غلام تصور کرنے لگے اور ان کی کمائی کا بیشتر حصہ ہڑپ کرنے کے علاوہ کمزور مزارعین کو طرح طرح کے ظلم و ستم توڑتے رہے اور ان کی تذلیل و تحقیر کے استبدادی حربوں سے ان کا جینا اجیرن کرتے رہے۔ یہ ظالمانہ زمیندارانہ نظام رب العالمین کے خلاف کھلی بغاوت تھی اور احکام خداوندی سے اس سرکشی و انحراف کی بہت سی حکومتوں کے ظالمانہ قوانین نے بھی استعانت کی اور مظلوم ظلم و ستم کی چکی میں پستے رہے۔

اللہ کی زمین پر غاصبانہ اور مخالفانہ قبضہ جمانے والے ظالم و جابر زمینداروں کے ہاتھوں کمزور و ناتواں کاشتکاروں پر ایسے دردناک مظالم ٹوٹتے رہے کہ ان کا تصور کر کے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور انسان کی سنگدلی اور جفا کشی پر ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے۔ حضرت علامہ نے زمین پر غاصبانہ حق ملکیت کی سخت مذمت کی ہے۔ ذیل میں علامہ کے زمین کے متعلق تصورات و نظریات کو پیش کیا جاتا ہے۔

سرگذشت آدم اندر شرق و غرب — بہر خاکے فتنہ ہائے حرب و ضرب
یک عروس و شوہر او ما ہمہ — آں فسوں گر بے ہمہ ہم با ہمہ
حق زمیں را جز متاع ما نہ گفت — ایں متاع بے بہا مفت است مفت
دہ خدایا نکتہء از من پذیر — رزق و گور از وے بگیر او را مگیر

باطن الارض للہ ظاہر است
ہر کہ ایں ظاہر نہ بیند کافراست

بندہ مومن امین ، حق مالک است — غیر حق ہر شے کہ بینی ہالک است
رزق خود را از زمیں بردن رواست — ایں متاع بندہ و ملک خداست
ارض حق را ارض خود دانی بگو — چیست شرح آیہ "لاتفسدوا"
کس امانت را بکار خود نہ برد — اے خوشا کو ملک حق باحق سپرد
بردہ چیزے کہ از آن تو نیست — داغم از کارے کہ از شان تو نیست

ملک یزداں را بہ یزداں باز دہ
تا ز کار خویش بکشائی گرہ !
زیر گردوں فقر و مسکینی چراست
آنچہ از مولاست می گوئی زماست

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کون لایا کھینچ کر پچھم سے باد سازگار
خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے یہ نور آفتاب
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشہ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب
دہ خدایا یہ زمیں تیری نہیں میری نہیں
تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں میری نہیں

حضرت علامہ نے مندرجہ بالا اشعار میں زمین پر ذاتی ملکیت کی شدت سے مذمت کی ہے اور اس کے تباہ کن نتائج کو بھی بڑے دلکش انداز میں پیش کیا ہے اور زمیندارنہ نظام کو قابل مذمت اور ناجائز قرار دیا ہے اور دنیا میں انتشار و فساد کا ذمہ دار اس غیر اسلامی نظام کو ٹھہرایا ہے

زمین ، پانی ، ہوا اور روشنی کی طرح اللہ تعالیٰ کا بے مزد و مشقت عنایت کردہ ذریعہ معاش ہے اور اس سے رزق حاصل کرنے کا حق تمام انسانوں کو مساوی دیا ہے اس لئے چند لوگوں کا ہمیشہ کے واسطے اس کا مالک بن جانا احکام خداوندی کی نافرمانی اور ظلم عظیم ہے ۔ اس ظالمانہ اقدام نے عوام کے سلب نہب کے دروازے کھول دیئے ہیں اور زمینداروں کو غریب و بے بس مزارعین کا استحصال اور خون چوسنے کی کھلی چھٹی مل گئی ہے ۔ ان ظالم لوگوں نے بے چارے مزارعین پر ظلم و ستم کے ناقابل بیان چرکے لگائے ہیں جس سے وہ عزت نفس کے احساس تک سے محروم ہو چکے ہیں ۔

اللہ کی زمین پر غاصبانہ قبضہ موروثی ملکیت میں تبدیل ہو گیا اور غریب کاشتکاروں پر مظالم اور استحصال نے مستقل صورت اختیار کر لی ۔

انگریزوں کی عملداری میں زمینداروں اور جاگیرداروں کے طبقے کو طرح طرح کی نوازشات اور اعزازات سے نوازا گیا اور حکومت نے اپنے استعماری مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ان لوگوں کے اثرو رسوخ میں مختلف طریقوں سے اضافہ کیا اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان لوگوں کی ناجائز اور ظالمانہ پوزیشن کو قانونی تحفظ فراہم کر دیا اور یہ لوگ اپنے بس کاشتکاروں کا بے روک ٹوک استحصال کرتے رہے ۔ مقام افسوس ہے کہ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے ملک میں بھی یہ عمل ابھی تک جاری وساری ہے ۔

زمین کے متعلق اسلامی نظریئے کی وضاحت کے لئے ذیل میں قرآن حکیم کی چند اقدار ماحصل برائے ملاحظہ پیش ہے :

(۱) زمین کو جملہ مخلوق کے فائدے کے لئے بنایا گیا ہے
(۲) زمین میں تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے سامان روزی ہے
(۳) اس میں بندوں کے لیے سامان رزق ہے
(۴) زمین کی پیداوار تمام مخلوق کے یکساں استفادہ کے لئے ہے
(۵) انسانوں کو زمین کا مالک سمجھنا ان کو خدا کا شریک اور ہم پلہ ٹھہرانا ہے
(۶) زمین کی پیداوار میں ان کا بھی حق ہے جو بعد میں آئیں گے

زمین کے متعلق یہ انقلابی احکامات ساتویں صدی عیسوی میں بذریعہ وحی الہی دیئے گئے جب دنیا کے ممالک زمیندارانہ اور جاگیر دارانہ نظام معیشت کے طاغوتی پنجوں میں جکڑے ہوئے تھے ۔ اور زمین سے محنت شاقہ کر کے رزق ، جس پر انسانی زندگی کا انحصار ہے ، پیدا کرنے والے زمینداروں کے ظلم و ستم کی وجہ سے سسکیاں لے رہے تھے ۔ آج بھی اکثر ممالک میں ایسے ہی

حالات بدستور قائم ہیں اور مقام حیرت یہ ہے کہ مسلم ممالک میں بھی محنت کش دہقان ایسے ہی افسوسناک حالات سے دو چار ہیں اور وہاں زمینداری اور جاگیرداری اپنے پورے طمطراق اور ٹھاٹھ باٹھ سے قائم ہے اور زمین کی ذاتی ملکیت کے خلاف مندرجہ بالا احکام خداوندی کو درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا جو قرآن حکیم کے احکام کی کھلی بغاوت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔ الارض للہ یعنی زمین کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے ، لیکن ہم کہتے ہیں نہیں یہ بات نعوذ باللہ غلط ہے زمین خدا کی نہیں ہماری ملکیت ہے ۔ آیت جلیلہ میں نہایت واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ زمین پر ذاتی ملکیت بنانے والے خدا کے شریک اور ہم پلہ بنتے ہیں ۔ پھر دوسری آیتہ مبارکہ میں فرمایا کہ زمین موجودہ اور آنے والی نسلوں کیلئے رزق کا سرچشمہ ہے یعنی جملہ مخلوق کے برابر استفادے کے لئے ہے ۔

ان احکام کی موجودگی میں زمین پر ایسی ملکیت شرک اور کفر کے مترادف ہے لیکن تمام مسلم ممالک میں غیر اسلامی زمیندارانہ نظام قائم ہو گئے چونکہ عمل اسی اسلام پر ہوتا ہے جسکو مذہبی پیشوائیت پیش کرتی ہے او۔ قانون دان اصحاب اور دیگر اہل علم حضرات نے اسلامی قوانین کے سب سے بڑے ماخذ قرآن عظیم کے احکام پر تدبر و تفکر کی زحمت گوارا کرنے سے گریز کیا ہے اور چودہ سو سال گذرنے کے بعد بھی مسلمانوں کے اکثر طبقے کتاب اللہ کے تفقہ سے عاری ہیں ۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں عراق ، ایران اور مصر وغیرہ فتح ہوئے اور زمین کی ملکیت کا سوال اٹھایا گیا ۔ کچھ مجاہدین کا اور دوسرے اصحاب کا خیال تھا کہ دوسرے مال و دولت کی طرح زمین بھی مال غنیمت ہے اس لئے اس کو سابقہ طریقے کے مطابق بانٹ دیا جائے ۔ حضرت عمر کی رائے تھی کہ زمین مال غنیمت میں شمار نہیں ہو سکتی ۔ ان کے کچھ ساتھی اس رائے کے خلاف تھے ۔ حضرت عمر نے اس امر کے تصفیے کے لئے مجلس مشاورت کے دو تین اجلاس طلب کئے ۔ آخری اجلاس میں حضرت عمر نے قرآن کی آیات پیش کیں تو سب نے احکام الٰہی پر لبیک کرتے ہوئے حضرت عمر کی رائے سے اتفاق کیا ۔ اس واقعہ سے ایک طرف تو یہ بات واضح ہو گئی کہ زمین پر افراد کی ملکیت نہیں ہو سکتی اور دوسری طرف اس سے مشاورت کا مقصد بھی نمایاں ہو گیا ہے ۔ مشاورت میں دیکھا یہ جاتا ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں کتاب اللہ کا کیا حکم ہے اور جب واضح حکم مل جائے تو ذاتی رائے کا سوال ختم ہو جاتا ہے اور قرآن کے احکام پر عملدرآمد کیا جاتا ہے جس کے خلاف کوئی مسلمان زبان نہیں کھول سکتا ۔ چاہئے تو یہ تھا کہ حضرت فاروق اعظم کے اس فیصلے پر جو احکام خدا پر مبنی ہے ، آنیوالی نسلیں عمل پیرا ہوتیں لیکن ہم نے خدا کے احکام کو بالائے طاق رکھ کر اور حضرت عمر کے اس واضح فیصلے سے انحراف کر کے نظام زمینداری کو جائز قرار دیتے ہوئے اس میں ہونے والے مظالم اور زیادتیوں میں شریک ہو گئے ۔

حضرت علامہؒ نے اس غیر اسلامی نظام کی پر زور مذمت کی ہے اور زمین پر ملکیت کو کفر سے تعبیر کر کے مسلمانوں کو زمینداری اور جاگیرداری کو ختم کرنے کی تلقین کی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ قرآن حکیم پر ایمان کے دعویداروں پر یہ حقیقت ابھی تک واضح نہیں ہوئی اور زمین پر ذاتی حق ملکیت کو تسلیم کر کے زمیندار اور جاگیردار غریب کاشتکار کی محنت شاقہ کی کمائی ہوئی دولت سمیٹ کر داد عشرت دے رہے ہیں۔ مذہبی پیشوائیت کی تائید اور حکومت کے قانون کی پشت پناہی کی وجہ سے غریب کاشتکار اور محنت کش اپنے آپ کو بے بس اور لاچار پا کر اپنی قسمت کا گلہ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتے۔ تقدیر کے زہر نے غریب محنت کشوں کے دل سے اپنی حالت کو بہتر کرنے کا خیال تک مفقود کر دیا ہے۔ مذہبی پیشوا ان کو یہ کہہ کر بھی تسلی دیتے ہیں کہ امراء کو اس دنیا میں سامان آرائش اور عیش و عشرت حاصل ہے اور غرباء کو اس سے بہتر نعمتیں اللہ تعالیٰ آخرت کی زندگی میں فراہم کرے گا۔

اور غریبوں کو قسمت وتقدیر کی خواب آور لوریاں دے کر خواب غفلت و مدہوشی میں مبتلا کر کے ان کو حیوانی سطح پر زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ سرمایہ داری اور جاگیردارانہ اور زمیندارانہ نظام ہائے معیشت انسان کی فلاح و بہبود اور ترقی کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں۔ علامہ کے کلام سے چند مزید اشعار برائے غور پیش کیے جاتے ہیں:

رازدان جز و کل از خویش نا محرم شداست — آدم از سرمایہ داری قاتل آدم شداست
ز مزد بندہ کرپاس پوش و محنت کش — نصیب بندہ نا کردہ کار رخت حریر
ز خوں فشانی من لعل خاتم والی — ز اشک کودک من گوہر ستام امیر
ز خون من چو زلو فربہی کلیسارا — بزور بازوئے من دست سلطنت ہمہ گیر
خرابہ رشک گلستان ز گریہ سحرم — شباب لالہ و گل از طراوت جگرم

بیا کہ تازہ نوائے تراود از رگ ساز — مئے کہ شیشہ گدازد بہ ساغر اندازیم
مغان و دیر مغان را نظام تازہ دہیم — بنائے میکدہ ہائے کہن بر اندازیم
ز رہزنان چمن انتقام لالہ کشیم
بہ بزم غنچہ و گل طرح دیگر اندازیم

خواجه نان بنده مزدور خورد
آبروئے دختر مزدور برد
در حضورش بنده می نالد چوں نے
بر لب او نالہ ہائے پے بہ پے
نے بجامش بادہ و نے در سبواست
کاخ ہا تعمیر کردہ خود بکو است

چیست قرآن خواجہ را پیغام مرگ
دستگیر بندہ بے ساز و برگ
بندہ را با خواجہ خواہی در ستیز
تخم لا در مشت خاک او بریز

اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
دست دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

کارخانے کا ہے مالک مردک ناکردہ کار
عیش کا پتلا ہے محنت ہے اسے ناسازگار
حکم حق ہے لیس للانسان الا ما سعی
کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار

عشق ہے بے زمام ابھی عقل ہے بے مقام ابھی
نقش گر ازل ترا نقش ہے ناتمام ابھی
خلق خدا کی گھات میں رند و فقیہ و میر و پیر
تیرے جہاں میں ہے وہی گردش صبح و شام ابھی
تیرے امیر مال مست تیرے فقیر حال مست
بندہ ہے کوچہ گرد ابھی خواجہ بلند بام ابھی
دانش و دین و علم و فن بندگی ہوس تمام
عشق گرہ کشائے کا فیض نہیں ہے عام ابھی

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگادو
کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو

گرماؤ غلاموں کا لہو سوز یقیں سے
کنجشک فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیران کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو

حق را بسجودے صنماں را بطوافے
بہتر ہے چراغ حرم و دیر بجھا دو

میں نا خوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظر روز مکافات

تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتی
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے

پرانی سیاست گری خوار ہے
زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے

گیا دور سرمایہ داری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا

مندرجہ بالا اشعار سے حضرت علامہ کے سرمایہ داری کے خلاف جذبات و احساسات کی شدت بصراحت عیاں ہوتی ہے اور غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ اس انسانیت کش اور غیر اسلامی نظامکو عوام الناس کے لئے زہر ہلاہل تصور کرتے ہیں۔

حضرت علامہ کی شہرہ آفاق نظم "فرمان خدا" ملوکیت یعنی ہر قسم کی شخصی حکومت اور سرمایہ داری بشمول زمینداری اور مذہبی پیشوائیت کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ بظاہر اس نظم کے احکام اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتوں کے لئے ہیں لیکن ان کا روئے سخن انسانوں کی طرف ہے اور مطلوبہ تعمیل حکام مسلمانوں کے ذمے ہے۔ لیکن ہم حضرت علامہ کے بصیرت افروز کلام کو

چٹخارے لے کر پڑھتے اور واہ واہ کر کے ختم کر دیتے ہیں حالانکہ یہ حرکت اور متواتر حرکت کا پیغام ہے ۔ اس لئے مسلم قوم کے اہل علم حضرات سے گذارش کی جاتی ہے کہ وہ حضرت علامہ کے نظریات اور تصورات پر غور و تدبر کر کے علیٰ وجہ البصیرت فیصلہ کریں کہ اگر وہ حق و صداقت پر مبنی ہیں تو پھر ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ضروری اقدامات کرنے سے گریز کیوں کیا جا رہا ہے اور اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے ۔ قابل غور بات یہ ہے کہ معاشرے کی اصلاح کے تصورات اسلام کے نظریہ حیات سے کلی مطابقت رکھتے ہیں اس لئے ان کے مطابق معاشرے کی تشکیل ہر مسلمان کیلئے دینی فریضہ کا درجہ رکھتی ہے ۔

اس مرحلہ پر ذیل میں اسلام کے معاشی نظام کے بارے میں احکام الہی مختصر طور پر درج کیے جاتے ہیں تاکہ یہ بھی معلوم ہو سکے کہ اسلام میں سرمایہ دارانہ نظام کی کوئی گنجائش نہیں ہے

سورہ توبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے : جو لوگ سونے چاندی کو زمین میں گاڑ کر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو ایک درد ناک عذاب کی خبر دیدو ۔ جس دن اس دولت کے سکوں کو آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیوں پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائیگا اور ان سے کہا جائے گا کہ وہ دولت جو تم نے جمع کر رکھی تھی اس کا آج مزہ چکھو۔ اس آیت جلیلہ میں زائد از ضرورت دولت کو جمع کرنے کی نہایت سخت الفاظمیں ممانعت کی گئی ہے اور اس فعل کے تباہ کن اثرات جو معاشرے پر پڑتے ہیں انہیں نہایت دردناک طریقے سے برائے عبرت بیان کیا گیا ہے یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ زائد دولت جو سرمایہ داری کی بنیاد ہے کا ذخیرہ کرنا معاشرے کو خوفناک نتائج سے دو چار کرتا ہے ۔ اس آیت مبارکہ سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ دولت کا صحیح مصرف اس کو ملک و قوم کے مفاد میں خرچ کرنے میں مضمر ہے ۔ ان ارشادات ربانی نے سرمایہ داری پر ضرب کاری لگا کر اس کی زہر آلود جڑ کو کاٹ کر رکھ دیا ہے ۔ زائد دولت کے انبار چند ہاتھوں میں دے کر ان کو ذرائع پیداوار کا مالک بنانا اور سرمایہ دار کا مزدوروں کے خون پسینے کی کمائی پر گل چھرے اڑانا اس آیہ مقدسہ سے کھلی بغاوت ہے ۔ اسی لئے اس کے لئے نہایت ہولناک سزا تجویز کی گئی ہے ۔

سورہ آل عمران میں فرمان اللہ تعالیٰ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے فضل و کرم سے مقدرو دیا ہے اور وہ مال خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ ایسا کرنا ان کے لئے کوئی بھلائی کی بات ہے نہیں یہ ان کے لئے بڑی برائی کی بات ہے ۔ قریب ہے کہ قیامت کے دن یہ مال و متاع جس کو جمع کرنے کے لئے وہ بخل کرتے رہے ہیں ان کے گلے میں طوق بنا کر پہنا دیا جائے ۔

سورہ عمران مں ارشاد ربانی ہے کہ اے رسول یہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ اپنی دولت میں سے کس قدر خرچ کریں ان کو بتادیں کہ زائد از ضرورت مال سب کا سب خدا کی راہ میں خرچ کریں۔

اس آیہ مبارکہ میں بھی زائد دولت اپنے پاس رکھنے کی ممانعت کر کے سرمایہ داری کو ختم کرنے کا طریقہ بتایا ہے، نہ لوگوں کے پاس زائد دولت ہو گی اور نہ سرمایہ داری وجود میں آسکے گی، نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

دوسری جگہ دولت کے انبار لگانے کی ممانعت اس طرح فرمائی کہ زمین میں چلنے والے حیوان کتنے ایسے ہیں کہ جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، اللہ انہیں بھی رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی اور وہ سب کچھ سننے والا ہے۔ ان ارشادات ربانی کے علی الرغم دنیا کے اکثر مسلم ممالک میں نظام سرمایہ داری پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ فگن ہے اور مسلمان کھلم کھلا احکام خداوندی سے سرکشی اور بغاوت کرتے ہوئے ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے اور دین حق کے اجارہ دار اپنی بعید از قیاس تاویلوں اور ان پر مبنی فتووں سے نظام سرمایہ داری کو جائز قرار دے کر عوام الناس کو اپنا ہم مسلک بنانے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ قرآن حکیم نے زائد از ضرورت دولت جمع کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اور دولت کو خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے کو ایک بڑی مصیبت قرار دیا ہے، چنانچہ سورہ محمد میں بخل کرنے والوں کو اس کے تباہ کن نتائج سے خبردار کیا ہے۔ فرمان خدا ہے کہ تم ایسے لوگ ہو کہ جب تم کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے تو بعض تم میں سے وہ ہیں کہ جو بخل کرتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے وہ خود اپنے ساتھ بخل کرتا ہے اور اللہ کسی کا محتاج نہیں ہے اور تم اس کے محتاج ہو۔ اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا پھر وہ تمہارے جیسے نہ ہوں گے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ بخل کرنے والی قوم ذلیل و خوار ہو کر مٹ جاتی ہے اور اس کی جگہ بہتر قوم لے لیتی ہے لیکن کس قدر مقام افسوس ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے ان احکامات کو در خور اعتنا نہ سمجھا اور جملہ مسلم ممالک میں نظام سرمایہ داری بشمول زمینداری اور جاگیرداری رائج کیا اور چند سرمایہ دار غریبوں کی محنت شاقہ کی کمائی پر داد عشرت دینے میں مصروف ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نہایت رحیم و کریم ہے وہ مسلمانوں کو کافرانہ روش ترک کرنے کے لئے مہلت پر مہلت دیئے جا رہا ہے تاکہ یہ اپنی موجودہ روش کو بدل کر قرآن حکیم سے بغاوت اور سرکشی کا وطیرہ چھوڑ دیں لیکن آخر کار مکافات عمل کا اٹل قانون حرکت

میں آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اسلام میں پوری طرح اور مکمل طور پر داخل ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے تمام احکام اور اصولوں کی پورے طور پر پیروی کرو تو تب مومن حقہ کے زمرے میں شامل ہو سکتے ہو۔ اور سچے مومن وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام و اقدار کے مطابق قائم کردہ معاشرے میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس لئے جب تک صحیح اسلامی یا قرآنی معاشرہ قائم نہیں ہوتا ہم صرف انفرادی عبادات کی ادائیگی سے مومن کہلانے کے مستحق نہیں بن جاتے۔ ایک مکمل ضابطہ حیات کی ادائیگی اسلام کا مقصود و منتہیٰ دنیا میں عادلانہ نظام کی تشکیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پروگرام یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قرآن عظیم پر مبنی معاشرے تشکیل دینے کے لئے سعی پیہم کی جائے تاکہ تمام ممالک میں عدل و انصاف پر مبنی معاشرے قائم ہو جائیں اور یہ دنیا مخلوق خدا کے لئے ہر قسم کی خوشگواریوں شادابیوں کامرانیوں کا گہوارہ بن جائے اور انسان کی تخلیق کا مقصد پورا ہو سکے۔ اور انسان کے سامنے اس دنیا اور آخرت میں اپنی ذات یا خودی کی نشوونما اور ارتقاء کے لئے وہ میدان کھل جائیں جن کی سرحدیں حدود ناآشنا ہیں اور انسانی ذات یا خودی حیات جاوداں حاصل کر کے پیہم رواں دواں، نہ ختم ہونے والی ارتقائی منازل طے کرتی رہے۔ حضرت علامہ نے اسلامی معاشرے کا تمثیلی نقشہ جاوید نامہ میں مندرجہ ذیل اشعار میں کھینچا ہے، جو قابل غور ہے:

ساکنانش در سخن شیریں چوں نوش — خوبروئے نرم خوئے و سادہ پوش
فکر شاں بے درد و سوز اکتساب — رازدان کیمیائے آفتاب
ہر کہ خواہد سیم و زر گیرد ز نور — چوں نمک گیریم ما از آب شور
خدمت آمد مقصد علم و ہنر — کار ہا را کس نمی سنجد بزر
بر طبیعت دیو ماشین چیرہ نیست — آسمانہا از دخاں ہا تیرہ نیست
سخت کش دہقان چراغش روشن است — از نہاب دہ خدایاں ایمن است
کشت و کارش بے نزاع آبجوست — حاصلش بے شرکت غیرے ازوست
اندراں عالم نہ لشکر نے قشون — نے کسے روزی خورد از کشت و خون
نے قلم در مرغدیں گیرد فروغ — از فن تحریر و تشہیر دروغ
نے بہ باراں نے ز بے کاراں خروش — نے صداہائے گدایاں در گوش

کس دریں جا سائل و محروم نیست
عبد و مولا حاکم و محکوم نیست

مجوزہ اسلامی معاشرے کی ایک سب سے اہم خصوصیت حضرت علامہ نے یہ بیان کی کہ یہاں کا کاشتکار اپنی کھیتی کے حاصل کا بلا شرکت غیرے واحد مالک ہوتا ہے ۔ چونکہ یہاں بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے کھیتی کے حاصل کو بٹورنے والا زمیندار موجود نہیں ، اس لئے مفت اور حرام خور زمیندار کے ساتھ فصل کی تقسیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

حضرت علامہ سرمایہ داری کے طاغوتی نظام کو اسلامی معاشی نظام کی ضد اور غریب عوام الناس کی مشکلات اور مصائب کا ذمہ دار تصور کرتے تھے اور اس کے انسانیت کش عوامل پر اپنے کلام میں بتکرار نشتر زنی کرتے تھے ۔ آخری زور دار مثنوی میں سرمایہ دار کے جور و ستم کے ذکر ان الفاظ میں کرتے تھے :

کس دریں جا سائل و محروم نیست　　　　عبد و مولا حاکم و محکوم نیست

اس شعر میں حضرت علامہ نے اسلام کے سیاسی اور معاشی نظام حیات کا نقشہ نہایت دلکش انداز سے کھینچا ہے اور اس کے پڑھنے سے اسلامی معاشرے کی جیتی جاگتی اور منہ بولتی تصویر آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگتی ہے ۔ علامہ فرماتے تھے کہ اسلام کے تشکیل کردہ معاشرے میں کوئی فرد بھی ضروریات زندگی کے حصول سے محروم نہیں ہوتا ۔ لہذا یہاں ضروریات کے لئے بھیک مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔

افراد کی ضرورتوں کی کفالت ملت اسلامیہ یا اسلامی مملکت کی ذمہ داری ہے ۔ ارشاد ربانی ہے کہ سائل و محروم جو محنت کرنے کے باوجود یا محنت کے قابل نہ ہونے کی وجہ سے اپنی بنیادی ضرورتیں پوری نہیں کر سکتے ان کا اہل ثروت کی کمائی میں حق ہے اور اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ ان کو یہ حق دلائے ۔ اگر زائد دولت رکھنے والے لوگ یہ فریضہ بخوشی سر انجام نہیں دیتے اور اپنی فاضل دولت حکومت کے حوالے اس غرض کے لئے نہیں کرتے تو اس مقصد کے حصول کی خاطر حکومت مناسب قانون وضع کر کے اس کفالت کی ذمہ داری کو پورا کر سکتی ہے ۔ اندریں حالات معاشرے میں کوئی شخص بھی زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے محروم نہیں رہ سکتا ۔ چونکہ یہ اس کا اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ حق ہے اور ہر شخص حکومت کی وساطت سے اس کو بطور حق حاصل کر سکتا ہے ۔

حضرت علامہ نے مصرعہ ثانی کہ عبد و مولا حاکم و محکوم نیست میں اسلام کے سیاسی معاشرتی اور توحید کے نظریات کو چار لفظوں میں اس کمال اور معجزبیانی سے سمو دیا ہے کہ ان پر غور کرنے سے انسان کی روح وجد میں آجاتی ہے اور اسلامی معاشرہ ایک حقیقت بن کر چمکتا دمکتا دکھائی دیتا ہے ۔ اس میں کوئی شخص دوسرے شخص کا غلام یا اطاعت گذار نہیں ہوتا اور نہ کوئی

حاکم اور دوسرے اس کے محکوم یا فرمان پذیر ۔ حاکم و مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے ، محکومیت اور اطاعت کا حق صرف خدا کی ذات کے لئے مخصوص ہے اور اس کا مطلب احکم الحاکمین کی صرف عبادت ہی نہیں بلکہ کتاب اللہ کے احکام و اقدار کی اطاعت ہے جن پر بنی نوع انسان کی بہتری اور بہبود و کامرانی کا انحصار ہے ۔ ان احکام کی خلاف ورزی کا نتیجہ ذلت و تباہی ہے ۔ اس لئے یہ انسان کے اپنے مفاد میں ہے کہ خالق حقیقی کے روح پرور اور فردوس بداماں احکامات کی تعمیل کر کے اپنی زندگی کو ہر قسم کی خوشگواریوں اور کامرانیوں اور سربلندیوں کا محور بنائے تاکہ اس دنیا میں ہر قسم کی خرابیوں سے پاک جنت بدوش اسلامی معاشرہ قائم کیا جا سکے ۔ جس سے مقصد حیات کی تکمیل ہو جائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انسان کو محترم اور قابل تکریم ہستی بنایا گیا ہے اور کسی انسان کو اس کا حق نہیں کہ وہ دوسروں کو اپنا غلام یا اطاعت گذار بنالے ، اس سے انسانیت کی تذلیل ہوتی ہے اور انسان کی خودی داغدار اور مفلوج ہو جاتی ہے ۔ اس لئے غیر اللہ کی اطاعت یا غلامی کو اللہ تعالیٰ نے شرک سے تعبیر کیا ہے اور اس کو ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے اسلام کے معاشی اور سیاسی نظام کو قائم کرنے کے لئے سرمایہ داری اور ملوکیت وغیرہ کا ختم کر، لازمی امر ہے ۔ اس بارے میں حضرت علامہ کے مندرجہ ذیل اشعار ملت اسلامیہ کے مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کو تفکر و تدبر کی دعوت دیتے ہیں ۔ علامہ فرماتے ہیں کہ :

دانہ ایں می کارد آں حاصل برد ۔۔۔ امتے بر امتے دیگر چرد
از تن شاں جاں ربودن حکمت است ۔۔۔ از ضعیفاں ناں ربودن حکمت است
پردہ آدم دری سوداگری است ۔۔۔ شیوہ تہذیب نو آدم دری است
نور حق از سینہ آدم ربود ۔۔۔ ایں بنوک ایں فکر چالاک یہود
گر تہ و بالا نہ گردد ایں نظام
دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

ان میں علامہ نے ملوکیت اور سرمایہ داری کے استعماری حربوں اور استبدادی ہتھکنڈوں

سے غریب عوام کے حقوق سلب کرنے کی وضاحت فرمائی ہے اور ان غیر اسلامی اداروں کو انسان کی زبوں حالی کا ذمہ دار قرار دیا ہے ۔

آخری شعر میں حضرت علامہ نے واضح طور پر یہ اہم اعلان کیا ہے کہ جب تک ان دا... اداروں کو مٹایا نہیں جاتا نظام اسلام کے نفاذ و قیام کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا اور نہ تہذیب و تمدن مستحکم بنیادوں پر استوار کیا جا سکتا ہے ۔

حضرت علامہ دین حق کے عاشق اور احیائے اسلام اور اس کی نشاۃ ثانیہ کے بہت بڑے داعی ہیں اور اس مقصد کے حصول کی خاطر وہ یہ کہنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں کہ جب تک ملوکیت اور سرمایہ داری اور ان پر مبنی نظامہائے فکر و عمل دنیا میں رائج ہیں اور ان کو مکمل طور پر ختم نہیں کیا جاتا اسلامی تہذیب و معاشرت کے قیام کا تصور بھی ایک خیال خام سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ علامہ قرآن حکیم کے احکام کے پیش نظر سرمایہ داری اور ملوکیت کو اسلامی نظام کی ضد سمجھتے ہیں اور ان کے خاتمے کو اسلامی نظام کے قیام کے لئے شرط اولیں تصور کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب تک "لا" کے مشکل مرحلے سے گذرا نہیں جاتا "الا" کی منزل تک رسائی ناممکن ہے۔ حضرت علامہ نے اس خیال کی وضاحت اپنے کلام میں کئی مقامات پر فرمائی ہے۔ اس ضمن میں چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں:

در جہاں آغاز کار از حرف لاست　　　این نخستیں منزل مرد خداست
لا و الا احتساب کائنات　　　لا و الا فتح باب کائنات
پیش غیر اللہ لا گفتن حیات　　　تازہ از ہنگامہ او کائنات
از جنونش ہر گریباں چاک نیست　　　در خور این شعلہ ہر خاشاک نیست

لا کی منزل عبور کرنے کے لئے جہد مسلسل بلکہ جہاد ناگزیر ہے جس کے لئے جان و مال کی بازی لگانا ہر مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے۔ ان کٹھن مراحل سے بچنے کے لئے مذہبی پیشوائیت نے ان غیر اسلامی نظاموں سے مصالحت کر کے ملوکیت اور سرمایہ داری سے تعاون کو اپنا شعار بنا لیا اور عوام کو بھی اپنے پیچھے لگانے میں کامیاب ہو گئی۔ مطلق العنان اور جابر و ظالم بادشاہوں کے لئے ظل اللہ اور خلیفہ اللہ کے القاب تجویز کر کے ان کے وجود کو اسلامی رنگ دینے کی کوشش کی گئی اور نماز جمعہ کے خطبوں میں ان کے ناموں کا ورد ہونے لگا۔

سرمایہ داری اور مذہبی پیشوائیت اصل میں ملوکیت کی پیداوار ہیں اور یہ اس کے سایہ عاطفت میں پرورش پا کر مسلمانوں کی زندگی کا اہم جزو بن گئی ہیں۔ جب سے ملوکیت اور سرمایہ داری مسلمان ممالک میں معرض وجود میں آئی ہیں مسلمان کا دین سے رشتہ کٹ گیا ہے۔

سیاسی نظام

اسلام کے سیاسی نظام کے متعلق علامہ حضرت محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے چند اشعار:-

بندہ حق بے نیاز از ہر مقام — نے غلام او را نہ او کس را غلام
بندہ حق مرد آزاد است و بس — ملک و آئینش خداداد است و بس
رسم و رہ دین و آئینش ز حق — زشت و خوب و تلخ و نوشینش ز حق
عقل خود بیں غافل از بہبود غیر — سود خود بیند نہ بیند سود غیر
وحی حق بینندۂ سود ہمہ — در نگاہش سود و بہبود ہمہ
غیر حق چوں ناہی و آمر شود — زور او بر ناتواں قاہر شود

زیر گردوں آمری از قاہری است
آمری از ما سوا اللہ کافری است

بندہ مومن ز قرآن بر نخورد — در ایاغ او نہ مے دیدم نہ درد
خود طلسم قیصر و کسریٰ شکست — خود سر تخت ملوکیت نشست
تا نہال سلطنت قوت گرفت — دین او نقش از ملوکیت گرفت

از ملوکیت نگہ گردد دگر !
عقل و ہوش و رسم و رہ گردد دگر

ان اشعار کی سیاسی اہمیت کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مفہوم مختصر طور پر بیان کر دیا جائے تاکہ اسلام کے سیاسی نظام کے بنیادی عناصر کی وضاحت ہو سکے۔

حضرت علامہ فرماتے ہیں کہ بندہ حق یا مرد مومن اللہ تعالیٰ کی غلامی اختیار کر کے یعنی اللہ کے احکام کی اطاعت کرنے سے ہر قسم کی غلامیوں اور شخصیت پرستیوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ مرد مومن نہ خود کسی کی غلامی اختیار کرتا ہے اور نہ ہی وہ کسی دوسرے کو اپنا غلام بناتا ہے۔ مرد مومن ہر قسم کی شخصی غلامی سے آزادی حاصل کر کے قرآن حکیم کے احکام کے مطابق اسلامی

حکومت یا خدا کی حاکمیت قائم کرتا ہے اور اس کی دولت خداداد کا آمین اور دستور العمل احکام خداوندی پر مبنی ہوتا ہے اور اس کے حق و باطل، نیک و بد اور تلخ و شیریں کے پیمانے بھی وحی الہی متعین کرتی ہے۔ انسانی عقل خود غرض واقع ہوئی ہے اور اس کی نظر ہمیشہ مفاد خویش پر لگی رہتی ہے اس لئے دوسروں کی فلاح و بہبود اس کی نظروں سے اوجھل رہتی ہے، لیکن رب العالمین کے پیش نظر تمام لوگوں کی فلاح و بہبود اور بہتری ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے جاری کردہ احکام سب کی فلاح کے ضامن ہوتے ہیں، مگر انسانوں کے وضع کردہ قوانین اور قاعدے ایسی ضمانت دینے سے اکثر قاصر رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام عدل و انصاف پر مبنی ہوتے ہیں اور ان کے نفاذ سے ہر قسم کے ظلم و استبداد کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ لیکن غیر اللہ کی حکومتیں لوگوں کو بنیادی حقوق سے محروم کر کے ان کو سلب و نہب کا نشانہ بناتی ہیں۔ آمریت اور ملوکیت میں استحصالی اور استبدادی حربوں سے خوف و ہراس کی فضا پیدا کر کے حکمران اپنی جابرانہ حکومت کو طول دینے کا بندوبست کرتے ہیں۔ آمرانہ نظام حکومت میں بیباکی اور بے خوفی اور اعلائے کلمتہ الحق کی اسلامی اقدار کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور لوگوں کی خداداد صلاحیتوں اور خودی کو کچل کر انسانیت کی تذلیل و تحقیر کی جاتی ہے۔ اسی بنا پر حضرت علامہ نے غیر اللہ کی حکومتوں کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔

حضرت علامہ آمرانہ حربوں کی یوں وضاحت فرماتے ہیں:

آمر قاہر کہ باشد پختہ کار — از قوانیں گرد خود بندد حصار
جرہ شاہین تیز چنگ و زود گیر — صعوہ را در کار ہا گیرد مشیر
قاہری را شرع و آئینے دہد
بے بصیرت سرمہ با کورے دہد

علامہ فرماتے ہیں کہ تجربہ کار آمر اپنی حکومت کے استحکام کے لئے اپنے گرد جابرانہ قوانین کا قلعہ تعمیر کرتے ہیں اور ان سے لوگوں کو خوفزدہ اور ہراساں کر کے اپنی مخالفت کی راہیں مسدود کر دیتے ہیں۔

قوم پر ایسی قدغنیں اور پابندیاں عائد کی جاتی ہیں کہ افراد قوم میں ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کی سکت باقی نہیں رہتی۔ آمرانہ حکومتیں اپنی حکومت کو آئینی رنگ دینے کے لئے کمزور اور ضمیر فروش افراد کو اپنے وزیر اور مشیر مقرر کرتی ہیں اور اس طرح اپنے آمرانہ چنگل کی گرفت کو اور مضبوط کرتی ہیں۔ پختہ کار آمر برائے نام جمہوری ادارے قائم کر کے اپنے آمرانہ اقدام کو چھپانے

کی بھی سعی کرتا ہے اور یہ کوشش ایسی ہے جیسا کہ ایک نادان شخص اندھے کی آنکھوں میں سرمہ لگا کر اس کو لوگوں کی نظر میں بصارت والا ظاہر کرے۔

موجودہ مسلم ممالک میں ملوکیت اور آمریت کی مذمت کرتے ہوئے حضرت علامہ نے فرمایا کہ مسلمانوں نے اسلام کے انقلاب آفرین اور فردوس بدوش احکام سے بالکل استفادہ نہیں کیا اور وحی خداوندی کے احکام و اقدار کو شجر ممنوع سمجھ کر اس کے حیات افروز پھل کو چکھا تک نہیں قرن اول میں مسلمانوں نے ملوکیت پر ضرب کاری اور قیصر و کسریٰ کی شخصی حکومتوں کے پرخچے اڑا کر مفتوحہ علاقوں میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت یعنی قرآن عظیم کے اصول و اقدار کے مطابق اسلامی حکومتیں قائم کیں۔ لیکن مسلمان تھوڑے ہی عرصہ بعد رجعت قہقری کر کے پھر ملوکیت کی زرنگار مسندوں پر جلوہ افروز ہو گئے اور اب تک اکثر مسلم ممالک ملوکیت و آمریت کے آہنی پنجوں میں گرفتار ہیں اور صدیوں سے اسلام کے نظام سیاست کو خیر باد کہہ چکے ہیں۔ ملوکیت کے جو تباہ کن اثرات مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر مرتب ہوئے وہ تو عیاں ہیں اور ان کی پستی اور زبوں حالی ان اثرات کی جیتی جاگتی اور معتبر شہادت اور واضح ثبوت فراہم کرتی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہوئی کہ ملوکیت نے دین حق پر بہت گہرے نقوش ثبت کئے ہیں اور خدا کی حاکمیت کا قیام جو دین متین کا مقصد و منتہیٰ ہے لوگوں کے دلوں سے محو ہو گیا ہے اور اسلام جو زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے چند رسمی عبادات میں محصور ہو کر رہ گیا ہے۔ ملوکیت کے خونی چنگل میں گرفتار ہونے کی وجہ سے مسلمان اخلاق و کردار کی اعلیٰ ترین مومنانہ صفات سے بھی محروم ہو گیا وار جابر اور مطلق العنان حکمرانوں کے ظلم و استبداد نے اس کو پست ہمت اور بزدل بنا دیا اور وہ جرات و بیباکی، شجاعت و صداقت اور جذبہ شہادت کے اسلامی جوہروں سے عاری ہو کر بادشاہوں اور ڈکٹیٹروں کا زر خرید غلام بن کر زندگی بسر کرنے لگا۔ غرضیکہ ملوکیت اور اس کی پیدا کردہ سرمایہ داری نے مسلمانوں کو ان ذاتی اور اجتماعی صفات عالیہ سے محروم کر دیا جو اللہ تعالیٰ قرآن حکیم کی اطاعت سے ان میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ حضرت علامہ ملوکیت کو اسلام کے خلاف بغاوت و سرکشی تصور کرتے ہیں اور مسلم ممالک میں اس کے فروغ کو ختم کرنے کی تلقین کرتے ہیں، ان غیر اسلامی اداروں کے باعث مسلمان بدترین قسم کے جمود و سکوت میں مبتلا ہو گیا ہے جو سکوت مرگ سے کسی طرح کم نہیں۔

حضرت علامہ انقلاب روس سے متاثر ہوئے۔ روس نے ملوکیت اور سرمایہ داری کا خاتمہ کر دیا۔ علامہ روس میں ملوکیت، سرمایہ داری، اور کلسیائیت یامذہبی پیشوائیت کے خاتمے کو نیک فال تصور کرتے ہیں کہ شائد انقلاب روس سے متاثر ہو کر مسلم ممالک بھی ان غیر اسلامی

اداروں سے خلاصی حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں۔ روس کے انقلاب کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

روس را قلب و جگر گردیدہ خوں　　از ضمیرش حرف لا آمد بروں
آں نظام کہنہ را برہم زداست　　تیز نیشے بر رگ عالم زداست
کردہ ام اندر مقاماتش نگہ　　لا سلاطیں لا کلیسا لا الٰہ
گردہ کار خداوند ان تمام　　بگذر از لا جانب الا خرام
داستان کہنہ شستی باب باب
فکر را روشن کن از ام الکتاب

حضرت علامہ فرماتے ہیں کہ روس نے اپنے ملک سے ملوکیت، سرمایہ داری اور مذہبی پیشوائیت کے اداروں پر ضرب کاری لگا کر "لا" کی ابتدائی اور مشکل منزل تک رسائی حاصل کر لی ہے۔ یہ ایک بڑی لیکن ادھوری کامیابی ہے۔ پرانے اداروں کے خاتمے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار بالکل غیر منطقی رویہ ہے۔ اس سے جو خلا پیدا ہوتا ہے اس کو پر کرنے کے لئے مثبت لائحہ عمل ضروری ہے "لا" اور "الا" لازم و ملزوم ہیں اور ان کا باہمی تعلق توڑ کر انسان کی منزل مقصود تک رسائی اور زندگی کے مسائل کا تسلی بخش حل ناممکن ہے اس لئے روس کو اپنے تصورات کو قرآن حکیم کے ظلمت ربا نور سے روشن کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ گو وہ اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ موجودہ مسلمان اپنی فکر اور تصورات کو قرآن حکیم کی شمع ہدایت سے منور کرنے میں ناکام رہا ہے اور اس نے ابھی "لا" کی ابتدائی منزل تک بھی رسائی حاصل کرنے کے لئے کوئی خاطر خواہ اقدام نہیں کیا ہے۔ حضرت علامہ کو یقین ہے کہ روس زود یا بدیر "لا" سے "الا" کی جانب ضرور رجعت کرے گا اور قرآن کے مطابق اپنے معاشرے کی تشکیل کر کے نام کے مسلمان کے لئے سامان عبرت فراہم کرے گا۔

اسلام کے سیاسی نظام میں حکومت کا حق اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص ہے اور اقتدار اعلیٰ قرآن مجید کے احکام و اقدار کو حاصل ہے۔ بنا بریں علامہ ملوکیت اور ہر قسم کی غیر اللہ کی شخصی حکومتوں کو از روئے اسلام حرام تصور کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

ہنوز اندر جہاں آدم غلام است　　نظامش خام و کارش نا تمام است
غلام فقر آن گیتی پناہم !

که در دینش ملوکیت حرام است

خلافت بر مقام ما گواہی است　　حرام است آنچہ بر ما پادشاہی است
ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ　　خلافت حفظ ناموس الہیٰ است

فقیرے بے کلاہے بے گلیمے　　!　در افتد با ملوکیت کلیمے

مکن اے بے خبر رسوا حرم را　　سجودے آوری دارا و جم را
نساید پیش غیر اللہ جبیں را　　مسلمانے کہ داند رمز دیں را
بکام خود بگرداند زمیں را　　اگر گردوں بکام او نہ گردد

گہرے داشت و لے پیش قباد وجم کرد　　آدم از بے بصری بندگی آدم کرد
یعنی از خوئے غلامی زسگاں خوار تراست
من ندیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد

اسلامی حکومت کا جملہ کاروبار اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق چلایا جاتا ہے اور تمام امور کے فیصلے ان کی مکمل مطابقت میں صادر ہوتے ہیں اور ان احکام خداوندی میں اضافہ یا تبدیلی کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے ۔ حکومت کے تمام شعبے یعنی انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ ان کے پابند ہیں اور کسی حالت میں ان سے انحراف نہیں کر سکتے ۔

اسلامی حکومت میں کوئی قانون قرآن کے احکام و اقدار کے خلاف وضع نہیں ہو سکتا چونکہ اس میں اقتدار اعلیٰ خدا کی کتاب کو حاصل ہے اور کسی جماعت یا اسمبلی اور پارلیمنٹ کو کتاب اللہ کے خلاف قانون سازی کا اختیار نہیں ہے ۔ اس کے برعکس مغرب کے سیاسی نظام میں پارلیمان کو

اقتدار اعلیٰ یعنی قانون سازی کے لا محدود اختیارات حاصل ہیں۔ بنا بریں اسلام کے سیاسی نظام میں حزب اقتدار اور حزب مخالف کی متصادم اکائیوں کا نہ سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ حکومت کا کاروبار چلانے کے لیے ان کی ضرورت ہے ہے حکومت کا فریضہ احکام خداوندی کا نفاذ اور ان کے عین مطابق حکومت کا کاروبار چلانا ہے۔ اور اس عمل سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اس لیے حزب مخالف کا اسلامی نظام سیاست میں کیا مقام ہو سکتا ہے۔

تمام مسلم ملت یا قوم ایک متحد اور ہر قسم کے اختلافات سے پاک ایک اکائی ہے جس کا وظیفہ حیات اللہ کے احکام کا نفاذ اور ان کے مطابق معاشرے کی تشکیل ہے۔ اور اگر پارلیمنٹ کے ممبران اس فریضے کی ادائیگی میں ضروری اقدامات کریں تو ان سے کس کو اختلاف ہو سکتا ہے؟

قرآن حکیم زندگی کے مختلف شعبوں کے لئے ضروری ہدایات فراہم کرتا ہے۔ سیاسی نظام کے متعلق اللہ تعالیٰ کے خصوصی احکام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

(۱) کسی انسان کو یہ بات سزاوار نہیں کہ اللہ اس کو انسان کی ہدایت کے لئے ضابطہ قوانین حکومت اور نبوت عطا کرے اور اس کا شیوہ یہ ہو کہ وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ (یعنی خدا کے احکام کی جگہ میری اطاعت کرو) بلکہ اسے تو یہ کہنا چاہئے کہ سب اس کتاب کی اطاعت کر کے جس کو پڑھتے پڑھاتے ہو ربانی بن جاؤ (یعنی صرف اور صرف خدا کے محکوم اور اطاعت گزار)

(۲) یاد رکھو حق حکومت صرف خدا کو حاصل ہے اور وہ اپنے اس حق میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

(۳) اے رسول، تم لوگوں کے متنازعہ امور کا فیصلہ وحی الٰہی کے مطابق کیا کرو

(۴) اے رسول، ان سے کہہ دو کہ مجھے اس کا کوئی اختیار نہیں کہ کتاب اللہ میں اپنی طرف سے کسی قسم کا ردو بدل کر سکوں۔

(۵) جو لوگ قرآن کے مطابق فیصلے نہیں کرتے (یعنی حکومت نہیں کرتے) کافر ہیں۔

(۶) جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتے یا حکومت نہیں کرتے وہ ظالم اور فاسق ہیں

(۷) اے رسول اپنے لوگوں سے امور مملکت میں مشورہ کیا کر

(۸) مسلمانوں کے تمام معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں
(۹) لقد کرمنا بنی آدم ہم نے انسان کو واجب التکریم پیدا کیا ہے۔

قرآن حکیم کی ان آیات جلیلہ میں اسلام کے سیاسی نظام کے اساسی اصول بیان کئے گئے ہیں جن پر آج تک صحیح معنوں میں غور و خوض کر کے کسی بھی مسلمان ملک نے ان کے مطابق اپنے نظام سیاست کی تشکیل نہیں کی۔ اس لئے ان ارشادات کو عملی جامہ پہنانے اور ان کے مطابق سیاسی نظام قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اہل علم اور ارباب سیاست ان پر نہایت خلوص سے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے تدبر و تفکر کر کے اپنا سیاسی منشور اور ملک کا آئین تیار کریں۔

اوپر درج سورہ آل عمران کی آیت مبارکہ ۸۰ / ۳ انسانی حریت و آزادی کا عظیم الشان انقلابی اعلان ہے۔ جو ملوکیت اور ہر قسم کی شخصی اور جماعتی غلامیوں اور اطاعت گزاریوں پر ضرب کاری لگاتا ہے۔ سورہ ال عمران آیات ۴۴، ۴۵، ۴۷ میں فرمان الہی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکومت نہیں کرتے وہ کافر ہیں، ظالم ہیں۔ فاسق ہیں۔ مقام صدافسوس ہے کہ ملت اسلامیہ اور اپنی مسلمانی کا ببانگ دہل دعویٰ کرنے والوں نے ان احکام الہی کو جو کفر اور اسلام کو ممیز کرتے ہیں در خور اعتنا نہ سمجھا اور تقریباً تمام مسلم ممالک میں پر لے درجے کی مطلق العنان شخصی حکومتیں اور غیر اسلامی ادارے قائم کر رکھے ہیں اور غضب ہے اکثر ممالک میں ایک فرد جملہ حل و عقد کے مختار کل کی حیثیت سے براجمان ہے اور ہر قسم کی قانون سازی کے اختیارات کا بھی مالک ہے اور اس طرح اپنے استبدادی حربوں اور ظالمانہ قوانین سے عوام کا کچومر نکال کر ان کو چلتی پھرتی لاشیں بنا کر اپنی شادمانی اور کامرانی کے نقارے بجاتا نظر آتا ہے اور مذہب کے اجارہ دار ایسے حکمرانوں کے حاشیہ بردار بن کر کفر اور ظلم و فسق کے ساتھ تعاون کر کے ان کو فروغ اور طوالت دینے میں ممد و مددگار بنے ہوئے ہیں۔ اور اس کے باوجود بھی چند رسمی عبادات بجا لاکر اپنے آپ کو مومنین کی جماعت کا فرد ہونے کے دعویدار بنے بیٹھے ہیں۔ اور ذرا نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کافر، ظالم اور فاسق کے زمرے میں شمار کرتا ہے۔ ملوکیت سے تعاون کرنے والا طبقہ اس انداز حکومت کی مخالفت کرنے سے قاصر ہے۔ کیونکہ یہ لوگ خود ان شخصی حکومتوں کی پیداوار ہیں۔ حضرت علامہ نے ملوکیت کو حرام قرار دیا ہے۔ اور اس کو ختم کر کے اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کرنے کی تلقین کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم کر کے ہی مسلمان اسلام کے مقصد منتہیٰ کو پورا کر سکتے ہیں اور کفر و فسق سے نجات پا کر مومنین کے زمرے میں شمار ہونے کی سعادت عظمیٰ حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام زود یا بدیر تمام غیر اسلامی نظام ہائے زندگی پر غالب آئیگا کیونکہ اسلامی نظام ہی میں بنی نوع انسانی کی فلاح و بہبود کا راز مضمر ہے۔

حضرت علامہ نے مغرب کے نظام سیاست کو اسلام کے نظام سیاست کی ضد قرار دیتے ہوئے اس کی سخت مذمت کی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ:۔

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام　　جس کے پردوں میں نہیں غیراز نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب　　تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق　　طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمی گفتار اعضائے مجالس الاماں　　یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری

اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

تری حریف ہے یا رب سیاست افرنگ　　مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس
بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے　　بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس

میری نظر میں ہے یہ سیاست لادین　　کنیز اہرمن و دوں نہاد و مردہ ضمیر
ہوئی ہے ترک کلیسا سے حاکمی آزاد　　فرنگیوں کی سیاست ہے دیو بے زنجیر

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام　　چہرہ روشن اندرون چنگیز سے تاریک تر

وائے بر دستور جمہور فرنگ　　مردہ تر شد مردہ از صور فرنگ

مغرب کے جمہوری نظام میں تو قانون سازی اور فیصلے کثرت آراء سے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ

تصور کہ اکثریت کے فیصلے ہمیشہ درست ہوتے ہیں بلا دلیل اور غلط ہے۔ کوئی امر محض اس بنا پر درست نہیں ہو سکتا کہ اسمبلی یا پارلیمنٹ کے ممبران کی اکثریت کی حمایت اس کو حاصل ہے۔ صحیح وہ ہے جو عقل کی کسوٹی پر برہان و دلیل کے ذریعے اخلاقی اصولوں اور عقل و انصاف عمل میں ایک صاحب فکر و دانش اور ایک کندہ ناتراش کا ووٹ ہم وزن شمار ہوتا ہے۔ مغربی جمہوریت کا یہ دعویٰ کہ اس میں حکومت عوام کی ہوتی ہے بلا جواز ہے کیونکہ حاکم و محکوم ایک نہیں ہو سکتے۔ کیا کوئی قوم خود اپنی حاکم اور اپنی ہی محکوم ہو سکتی ہے؟

مغربی جمہوریت کے پارلیمنٹری نام حکومت کے حامیوں کی وجہ سے مغرب کے اہل فکر حضرات اس سیاسی نظام کی تنقید اور مذمت کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ لیکن ہم ہیں کہ اس سسٹم کو بہترین تصور کرتے ہوئے اس کے ساتھ بلا سوچے سمجھے چمٹے ہوئے ہیں۔ اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ہمارے ہاں کے بہت سے قائدین سیاست اس مغربی پارلیمنٹری نظام حکومت کو عین اسلام کے مطابق تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ اسلام کا سیاسی نظام جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور قرآن حکیم کے اقتدار اعلیٰ پر مبنی ہے مغربی جمہوری نظام کی ضد ہے اور اجتماع ضدین ناممکنات میں ہے۔

اسلام کے سیاسی نظام کو وہی اہل فکر و دانش اصحاب قائم کر سکتے ہیں جو تفقہ فی القرآن میں ید طولیٰ رکھتے ہوں اور اس کے احکام و اقدار کو موجودہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق نافذ کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ان کا موجودہ دور کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی تقاضوں سے پوری طرح آگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔ اسلامی مملکت کے سربراہ، مشیروں اور وزیروں کے لئے اسلام سے پوری آگاہی کے علاوہ موجودہ علوم خاص کر سیاسیات وار اقتصادیات میں مہارت رکھنا لازمی ہے۔ چونکہ جو لوگ اللہ اکبر یا لا الہ الا اللہ کے صحیح مفہوم اور مضمرات کا علم نہیں رکھتے اور وقت کے تقاضوں سے بھی بے خبر ہیں ان سے اسلامی نظام کے قیام کی توقع رکھنا عبث ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام کے بنیادی اصولوں اور قدروں کو موجودہ وقت کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق نافذ کرنے کے طور طریقے وضع کرنے کے لئے مشاورت کا عمل تجویز فرمایا ہے۔

قرآن مجید کے احکامات اور اقدار کی ترمیم و تنسیخ کا کسی کو اختیار نہیں اور مشاورت کا عمل ان احکام کو موجودہ حالات کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نافذ کرنا ہے اور اس عمل میں بھی یہ امر ہر وقت پیش نظر رکھنا ہو گا کہ کوئی مشاورتی فیصلہ احکام خداوندی کے خلاف نہ ہو چونکہ مشاورت کا مقصد اولیٰ اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی پابندی اور نفاذ ہے۔ اسلام کے سیاسی نظام میں حکومت کا حق اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے اور وہ اپنے اس حق میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ جیسا کہ سورہ یوسف کی آیت ۴۰ میں بالصراحت بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا مطلب

قرآن مجید کے احکام کی بالا دستی ہے۔ یعنی اقتدار اعلیٰ کتاب اللہ کو حاصل ہے اس کے برعکس سیکولر نظام حکومت میں اقتدار اعلیٰ ملک کی اسمبلی یا پارلیمان کو حاصل ہوتا ہے

مغرب کا سیکولر نظام حکومت اس نظام سیاست کا مرہون منت ہے جس کی داغ بیل میکیاولی نے ڈالی = جس میں اخلاقیات کا قطعاً کسی قسم کا دخل نہیں ہے۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں سیکولر ازم کے معنی وہ نظریہ حکومت ہے جس کا مذہب سے کوئی تعلق نہ ہو۔ سیکولر ازم کی یہ تعریف اسلام کے سیاسی نظریات کی کلی طور پر بیخ کنی کرتی ہے۔ اسلام میں اخلاقیات اور حق و باطل کا پیمانہ قرآن حکیم کے اوامرونواہی متعین کرتے ہیں۔ جس امر کو وحی الٰہی باطل اور اخلاقی قدروں کے منافی گردانتی ہے دنیا کی کوئی طاقت بلکہ جملہ بنی نوع انسان اپنی رائے سے اس کو اخلاقی قدر قرار نہیں دے سکتے۔ سیکولر ازم اصل میں میٹریل ازم کے فلسفہ کی شاخ ہے اور اس کا اسلامی نظام سیاست سے کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا بلکہ یہ اسلامی نظام کی ضد ہے۔ مقام حیرت اور صد افسوس ہے کہ پاکستان میں کچھ حلقوں میں اس غلط اور بے بنیاد شوشے کو ہوا دی جا رہی ہے کہ قائد اعظم پاکستان میں سیکولر نظام حکومت کے داعی تھے اور پاکستان کو ایک سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے۔ حضرت قائد اعظم پر یہ سراسر بہتان ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ قائد اعظم سیکولر حکومت قائم کرنا چاہتے تھے تو پھر پاکستان کے مطالبہ کا جواز بہت حد تک ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت قائد اعظم پاکستان میں اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کرنے کے لئے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ مملکت کا مطالبہ کر رہے تھے۔ وہ قرآن حکیم کے احکام کے مطابق مملکت قائم کرنے کے خواہاں تھے اور اس کا اعادہ بار بار انہوں نے اپنی تقاریر میں کیا ہے۔ حضرت قائد اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے اس سلسلے میں فرمودات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کانفرنس کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظم نے فرمایا کہ ذات برادری کی تقسیم اور شیعہ سنی کی تفریق ہمیں ایک قوم نہیں بننے دے گی۔ یاد رکھیے ہماری کشتی کا لنگر اور ہماری عمارت کی بنیاد اسلام ہے۔

(تقاریر جلد دوم ۸۹)

۲۔ نومبر ۱۹۴۵ء میں فرنٹیئر مسلم کانفرنس پشاور سے خطاب میں فرمایا:۔

سوال یہ ہے کہ ہم جس آزادی کے لئے جدو جہد کر رہے ہیں اس کے حصول کے لئے ہمارے پاس قوت کون سی ہے۔ ہماری وہ قوت ہمارا مذہب ہماری ثقافت اور اسلامک آئیڈیلز ہیں۔

(تقاریر جلد دوم ۳۳۸)

۳۔ ۱۹۴۵ء میں قوم سے عید کے پیغام میں قائداعظم نے فرمایا:

یاد رکھیے اسلام صرف روحانی احکام او رنظریات یا مذہبی رسوم و مراسم کا نام نہیں یہ ایک مکمل

ضابطہ حیات ہے جو اسلامی معاشرے کے ہر گوشے پر محیط ہے --- خواہ اس کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو اور خواہ حیات اجتماعیہ سے ۔

(تقاریر جلد دوم ص ۳۰۱)

۴ ۔ حضرت قائد اعظم نے ۱۹۴۵ء میں قوم کو عید کا پیغام ریڈیو سے نشر کرتے ہوئے فرمایا :۔
معاشی نظام ہو یا سیاسی آزادی اسے آخر الامر زندگی کے کسی گہرے مفہوم پر مبنی ہونا چاہئے اور مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ ہمارے نزدیک زندگی کا وہ گہرا مفہوم اسلام اور روح اسلام ہے ۔
(تقاریر جلد اول ۱۰۸)

ہندوستان کی سیاست کے میدان میں مسٹر گاندھی بھی قائد اعظم کے سب سے بڑے حریف تھے مسٹر گاندھی نے اعتراض کیا کہ مسٹر محمد علی جناح مذہب کو خواہ مخواہ سیاست میں گھسیٹ لاتے ہیں حالانکہ مذہب کو سیاست سے کوئی واسطہ نہیں ۔ اس کے جواب میں حضرت قائد اعظم نے مسٹر گاندھی کے نام ایک مفصل خط تحریر کیا اور اس میں فرمایا کہ :۔

۵ ۔ آج آپ (یعنی مسٹر گاندھی) اس سے انکار کرتے ہیں کہ قومیت کی تشکیل میں مذہب ایک بہت بڑا عنصر ہے ۔ لیکن جب خود آپ سے سوال کیا گیا تھا کہ زندگی میں آپ کا مقصود کیا ہے ۔ وہ کون سی قوت محرکہ ہے جو ہمیں آمادہ عمل کرتی ہے ۔ کیا وہ مذہب ہے یا سیاست یا عمرانی اصلاح ، تو آپ نے کہا تھا کہ وہ ہے خالص مذہبی جذبہ (لہذا مذہب اور سیاست دو الگ الگ شعبے ہو نہیں سکتے ۔ آپ تمدنی ، معاشی ، سیاسی اور خالص مذہبی امور کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کر ہی نہیں سکتے ۔ جس مذہب کو نوع انسان کے معاملات سے واسطہ نہیں میں اسے مذہب تسلیم نہیں کرتا ۔ مذہب انسان کے ہر معاملے کے لئے اخلاقی بنیاد مہیا کرتا ہے ۔ اگر مذہب نہ ہو تو انسانی اعمال اس بنیاد سے محروم ہو جاتے ہیں اور جب زندگی ایسی بنیاد سے محروم ہو جاتی تو وہ انسانی زندگی نہیں محض غوغا آرائی اور ہنگامہ پروری بن کر رہ جاتی ہے جس میں شور و شغب تو بہت ہوتا ہے مگر مقصد کچھ نہیں ہوتا ۔

(تقاریر جلد اول ۴۰ ۔ ۱۳۹)

۶ ۔ حضرت قائد اعظم نے نومبر ۱۹۴۵ء میں فرنٹیئر مسلم لیگ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ :۔

* مسلمان اس لئے پاکستان کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ اس مملکت میں وہ اپنے ضابطہ زندگی ، اپنے ثقافتی نشوو نما اور روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق زندگی بسر کر سکیں ۔

(تقاریر حصہ دوم ۔ ۳۵۱)

* یہی بات انہوں نے اسی ماہ اسلامیہ کالج پشاور کے طالب کے سپاس نامہ کے جواب

میں کہی۔

(تقاریر جلد ۱۰، ص ۳۵)

قائد اعظم نے ایڈورڈ کالج پشاور کے طلباء کو خطاب کرتے ہوئے ۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کو فرمایا کہ
ہم ہندو اور مسلمان دو قومیں ہیں نہ صرف یہ کہ ہمارا مذہب اک دوسرے سے مختلف ہے بلکہ ہمارا کلچر بھی الگ الگ ہے۔ ہمارا مذہب ہمیں ایک ایسا ضابطہ حیات عطا کرتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے۔ ہم اسی ضابطہ کے آئیڈیلز کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ہندو لیڈر شپ رام راج قائم کرنا چاہتی ہے اور اس راج میں مسلمانوں کو اقلیت کی پوزیشن دینا چاہتی ہے۔

تقاریر حصہ دوم ۳۳۶

حضرت قائد اعظم نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی سالانہ کانفرنس میں ۱۸ مارچ ۱۹۴۴ء کو تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔
پاکستان کا مطالبہ اب کروڑوں مسلمانوں کے نزدیک جزوایمان بن چکا ہے۔ یہ اب ایک نعرہ نہیں رہا۔ مسلمانوں نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ ان کی حفاظت، نجات اور مقدر کا واحد ذریعہ پاکستان ہے۔ وہ پاکستان جب وجود میں آگیا تو ہماری دنیا میں یہ آواز گونج اٹھے گی کہ ہاں اب ایک مسلم اسٹیٹ کا قیام عمل میں آگیا ہے۔ جو اسلام کے ماضی کی درخشندہ عظمت وشوکت کا احیاء کرے گی۔

تقاریر جلد دوم ۸۵

قائد اعظم نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں ۲۴ اپریل ۱۹۴۳ء کے خطاب میں فرمایا کہ :
ہمارے متعلق بہت سے فتنے برپا کئے جاتے ہیں۔ پوچھا یہ جاتا ہے کہ کیا پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہو گی۔ ان بھلے مانسوں سے کوئی پوچھے کہ بھلا یہ بھی کوئی ایسی بات ہے جس کے متعلق کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش آئے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ایسا سوال کرنے والے ہمارے خلاف VOTE OF CENSURE پاس کرتے ہیں۔

تقاریر جلد اول ۵۳۵

حضرت قائد اعظم نے یوم اقبال منعقدہ دسمبر ۱۹۴۴ء میں اپنے پیغام میں فرمایا کہ:۔
اسلامی نظریات زندگی پر یقین محکم رکھتے ہوئے اقبال ان معدودے چند مشاہیر میں سے تھے جنہوں نے اس امکان کو روشن کیا کہ ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی حصوں میں جو مسلمانوں کے تاریخی اماکن ہیں ایک اسلامک سٹیٹ قائم کی جا سکتی ہے۔

تقاریر حصہ دوم ۳۲۶

حضرت قائد اعظم نے ۸ نومبر ۱۹۴۵ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندے کو صاف الفاظ میں بتایا کہ پاکستان ایک اسلامک سٹیٹ ہو گی۔

تقاریر حصہ دوم ۳۲۶

لندن میں مسلم لیگ کے ایک جلسے میں ۱۴ دسمبر ۱۹۴۶ء کو فرمایا کہ ہم ایک ایسی مملکت چاہتے ہیں جس میں ہم اپنے تصورات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

تقاریر حصہ دوم ۵۰۳

قائد اعظم نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۵ء کو پاکستان ڈے کی تقریب کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہماری حفاظت، نجات اور عزت آبرو کے تحفظ کا واحد ذریعہ پاکستان ہے۔ یاد رکھو اگر ہم اس جدوجہد میں ناکام رہ گئے تو ہم تباہ ہو جائیں گے اور پھر اس برصغیر میں مسلمانوں کا اور اسلام کا نشان باقی نہیں رہے گا۔

تقاریر جلد دوم ۲۵۵

حضرت قائداعظم نے گورنر جنرل کی حیثیت سے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں کراچی میں حکومت کے افسروں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

پاکستان کا قیام جس کے لئے ہم گذشتہ دس سال سے مسلسل کوشش کر رہے تھے اب خدا کے فضل سے ایک حقیقت ثابتہ بن کر سامنے آچکا ہے۔ لیکن ہمارے لئے اس آزاد مملکت کا قیام مقصود بالذات نہیں تھا بلکہ ایک عظیم مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہمیں ایک ایسی مملکت مل جائے جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں اور اسلام کے عدل عمرانی کے اصول آزادانہ طور پر عمل میں لائے جا سکیں۔

گورنر جنرل کی حیثیت سے تقاریر کا مجموعہ۔ ۱۲

دہلی میں ۱۱ اپریل ۱۹۴۶ء کو اسمبلیوں کے مسلمان ممبران کا کنونشن منعقد ہوا تھا جس کے آخری اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے حضرت قائد اعظم نے فرمایا کہ:۔

اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہم کس مقصد کے لئے یہ لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ہمارا نصب العین کیا ہے۔ یاد رکھیے ہمارا نصب العین تھیاکریسی نہیں۔ ہم تھیاکریسی سٹیٹ نہیں بنانا چاہتے۔

تقاریر جلد دوم۔ ۳۶۶

قائد اعظم نے فروری ۱۹۴۸ء میں اہل امریکہ کے نام اپنے براڈکاسٹ میں کہا:

پاکستان کی آئین ساز اسمبلی کو ابھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے۔ میں نہیں جانتا اس کی آخری شکل کیا ہوگی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا آئینہ دار جمہوری انداز کا ہو گا۔

اسلام کے یہ اصول آج بھی اسی طرح عملی زندگی پر منطبق ہو سکتے ہیں جس طرح وہ تیرہ سو سال پہلے ہو سکتے تھے۔ اسلام نے ہمیں وحدت انسانیت اور ہر ایک کے ساتھ عدل و دیانت کی تعلیم دی ہے۔ آئین پاکستان کے مرتب کرنے کے سلسلے میں جو ذمہ داریاں اور فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں ان کا ہم پورا پورا احساس رکھتے ہیں۔ کچھ بھی ہو یہ مسلمہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیاکریسی رائج نہیں ہو گی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزعم خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔

(ماخوذ از طلوع اسلام ستمبر ۱۹۸۷ء) تقاریر بحیثیت گورنر جنرل صفحہ ۶۵

حضرت قائد اعظم کے مندرجہ بالا کثیر التعداد ارشادات سے اس امر کی بلا ریب و تشکیک مکمل طور پر وضاحت ہو جاتی ہے کہ مسلمانان ہند نے اپنے لئے علیحدہ مملکت کا مطالبہ کن مقاصد کی خاطر کیا تھا۔ پاکستان کے مطالبہ کی اساس دو قومی نظریے پر تھی اور یہ نظریہ قرآن حکیم کے ارشادات پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بنی نوع انسان دو حصوں میں منقسم ہے ---- ایک حصہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو اللہ کے احکام پر ایمان لاتے ہیں اور دوسرے حصے میں وہ لوگ شامل ہیں جو کفر اختیار کرتے ہیں یعنی احکام خداوندی سے اعراض و سرکشی برتتے ہیں۔ دو قومی نظریہ پاکستان کے مطالبے اور سالمیت و وجود کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ دو قومی نظریے کا یہ واضح مقصد ہے کہ پاکستان میں ایسی قوم پیدا کی جائے جو احکام الٰہی کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کرے۔ اور ان سے کبھی بھی سرکشی کر کے کفار کے زمرے یا قوم میں شامل نہ ہو جائے۔ دو قومی نظریے کا یہ مقصد تب ہی پورا ہو سکتا ہے جب ہم زندگی کے تمام شعبوں میں احکام خدا کو مشعل راہ بنا کر ان کے مطابق نظام اسلام ملک میں قائم کریں اور زندگی کے تمام شعبے یعنی معاشی، سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی وغیرہ قرآن حکیم کی روشنی اور ہدایت کے مطابق چلائیں اور ان سے سرمو انحراف نہ کریں۔ قرآن حکیم کے واضح احکام ہیں کہ جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ کافر، ظالم اور فاسق ہیں۔

تھیاکریسی یا مذہبی پیشوائیت کو بھی کفر اور شرک سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کس قدر حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واضح احکام کی موجودگی میں سیکولرازم یا مذہبی پیشواؤں کی حکومت کی وکالت کی جائے۔ تھیاکریسی غیر اللہ کی حکومت ہے اس لئے ازروئے اسلام کفر اور فسق ہے۔

قرآن حکیم کے ان احکامات کے اعادہ اور حضرت قائد اعظم کی تقاریر کے کثیر التعداد اقتباسات کو نقل کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ بعض ممتاز اور قد آور شخصیتوں کی طرف سے اس بات کا چرچا کیا جاتا ہے کہ حضرت قائد اعظم سیکولرازم کے حامی تھے اور وہ پاکستان

میں ایک سیکولر سٹیٹ چاہتے تھے ۔ جناب چیف جسٹس مسٹر محمد منیر مرحوم نے اپنی آخری کتاب "جناح سے ضیاء تک "، میں اس بات کو بڑے زور شور سے بیان کیا ہے کہ قائد اعظم سیکولرسٹ تھے ۔ اور پاکستان میں سیکولر حکومت قائم کرنا چاہتے تھے ۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرار داد مقاصد ہر گز آئین کا حصہ نہ بنتی اگر قائد اعظم زندہ ہوتے ۔

حضرت قائداعظم کے مندرجہ بالا ارشادات کے سرسری ملاحظہ سے صاحب فکر حضرات اندازہ لگا سکتے ہیں کہ چیف جسٹس مرحوم یہ کہنے میں کہاں تک حق بجانب ہیں کہ قائد اعظم سیکولر حکومت قائم کرنا چاہتے تھے اور پاکستان کو بھی مغربی ممالک کی تقلید میں ایک نیشنل سیکولر سٹیٹ بنانے کے خواہش مند تھے یہ نہایت خطرناک رجحان ہے اور اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو پاکستان کے مطالبے کا جواز ختم ہو جاتا ہے اور دو قومی قرآنی نظریے سمیت حضرت قائداعظم کے نظریات کی تردید ہو جاتی ہے ، جس کے تصور ہی سے روح کانپ اٹھتی ہے ۔ لہٰذا یہ بلا کسی شک و شبہ کے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ سیکولر سٹیٹ قائم کرنے کے متعلق تمام باتیں حقیقت سے دور اور قائداعظم کی مشکوک ترجمانی کا درجہ رکھتی ہیں ۔ مزید افسوس کی بات یہ ہے کہ جناب جاوید اقبال خلف الرشید حضرت علامہ اقبال نے اپنی ایک کتاب جو غالباً ساٹھ کی دہائی میں چھپی تھی میں سیکولر سٹیٹ کی حمایت کی ۔ علامہ فرماتے ہیں کہ :۔

زیر گردوں آمری از قاہری است　　آمری از ماسوا اللہ کافری است

غلام فقر آن گیتی پناہم　　کہ در دینش ملوکیت حرام است

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو　　جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

علامہ کے ان خیالات کی موجودگی میں پاکستان میں سیکولر سٹیٹ کی وکالت اور سرپرستی انتہائی افسوس ناک ہے ۔ مسٹر انوار الحق چیف جسٹس (ریٹائرڈ) نے ہمدرد کی ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ قائد اعظم کوئی عالم دین نہیں تھے ۔ وہ انگریزی لباس پہنتے اور انگریزی بولتے تھے اور سیکولر حکومت قائم کرنا چاہتے تھے ۔ معلوم ہوتا ہے انہوں نے یہ بات مسٹر محمد

منیر کی پیروی کرتے ہوئے بلا کسی دلیل و برہان کے ایک جلسے میں جملہ معترضہ کے طور پر کہہ ڈالی۔

مسٹر محمد منیر صاحب مرحوم سیکولر ازم کا جواز حضرت قائد اعظم کے اس بیان میں پاتے ہیں کہ جس میں انہوں نے واضح طور پر فرمایا کہ پاکستان میں تھیا کریسی ہر گز معرض وجود میں نہیں آسکتی۔ قائد اعظم نے فروری ۱۹۴۵ء میں اہل امریکہ کے نام اپنے براڈ کاسٹ میں تھیا کریسی کے متعلق فرمایا:۔

یہ مسلمہ بات ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیا کریسی رائج نہیں ہو گی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دی جاتی ہے کہ وہ بزعم خویش خدائی مشن کو پورا کریں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت قائد اعظم پاکستان میں کس قسم کی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔ اس سوال کا جواب قائد اعظم نے خود اپنی محولہ بالا فرمودات میں بوضاحت دیا ہے۔ حیدر آباد دکن میں طالب علموں کے سوالات کے جواب دیتے ہوئے حضرت قائد اعظم نے فرمایا:

میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلام کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم کتاب میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشی غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔

اس سوال کے جواب میں کہ اسلامی حکومت کی خصوصیت کیا ہے:

جواب: اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام و اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے اس کو لا محالہ علاقے اور مملکت کی ضرورت ہے۔ یہ اقتباس حقیقت میں سورہ آل عمران کی آیت ۷۸ کی بصیرت افروز تفسیر ہے جو حضرت قائداعظم کی قرآن دانی پر دلالت کرتی ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے سوا ہر قسم کی شخصی اور جماعتی اطاعتوں سے مسلمانوں کو آزاد کر دیا۔ کسی حاکم یا مذہبی رہنما کے لئے یہ زیبا نہیں کہ وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کی اطاعت کو چھوڑ کر تم میری اطاعت کرو۔ بنا بریں علماء مشائخ، فقیہوں اور مفسرین و محدثین کی اطاعت اور تھیا کریسی قائم کر

کے ان کو بطور حکم تسلیم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اندریں حالات اسلامی نظام حکومت میں تھیاکریسی یا مذہبی پیشوائیت کی حکومت ناجائز اور خلاف احکام الٰہی ہے۔ حضرت قائد اعظم پاکستان میں اسلامی یا قرآن کی حکومت قائم کرنے کے آرزو مند تھے۔

سوشلزم

سوشلزم کا سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام اس زندگی کے فلسفے پر مبنی ہے جو کارل مارکس نے آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پیشتر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ سوشلزم اور کمیونزم ایک ہی نظام کے دو رخ ہیں۔ مارکس نے پہلے مرحلے کو سوشلزم اور دوسرے مرحلے کو کمیونزم سے موسوم کیا ہے مارکس سرمایہ داری اور فیوڈل ازم کے خلاف ہے لیکن وہ اپنے فلسفے کی اساس دہریت اور الحاد پر رکھتا ہے اور مذہب کو افیون اور انسان کی بہت سی مشکلات اور مصائب کا ذمہ دار تصور کرتا ہے اور مذہب کی اخلاقی اقدار اور جزا سزا کے قانون مکافات کو لغو اور غربا کو بیوقوف بنا کر ان کا استحصال کرنے کا ذمہ دار سمجھتا ہے۔ بنا بریں مارکسٹ یا سوشلسٹ وہ ہے جو مارکس کے ان نظریات و تصورات کا قائل و حامل ہو۔ یہ نظریات صریحاً اسلام کے بنیادی نظریات سے متصادم ہیں لہذا کوئی مسلمان سوشلسٹ نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی سوشلسٹ مسلمان کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے غرضیکہ سوشلسٹ یا مارکسٹ کے الفاظ کسی مسلمان کے لیے استعمال نہیں ہو سکتے چہ جائیکہ حضرت علامہ جیسے داعی اسلام کو سوشلسٹ بتایا جائے۔ پنڈت جواہر لعل نہرو نے علامہ اقبال سے ایک مختصر سی ملاقات کے بعد ان کو سوشلسٹ بنا دیا۔ یہ علامہ کے خلاف بہت بڑا الزام ہے جو پنڈت جی نے بغیر سوچے سمجھے ان پر عائد کیا ہے۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ کی سرمایہ داری اور جاگیر داری کی تحقیر و مذمت سے متاثر ہو کر پنڈت نہرو نے ان کو سوشلسٹ کے لقب سے نواز دیا حالانکہ حضرت علامہ نے سوشلزم کی مذمت کی ہے اور روس کے نظام کو اسلام سے متصادم اور محض منفی نظریات کا حامل قرار دے کر روس کو اسلام کے مثبت تصورات سے اپنی قومی فکر کو روشن کرنے کی دعوت دی ہے۔ حضرت علامہ روس کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

۳۔ ۱۹۴۵ء میں قوم سے عید کے پیغام میں قائداعظم نے فرمایا:

یاد رکھیے اسلام صرف روحانی احکام اور نظریات یا مذہبی رسوم و مراسم کا نام نہیں یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو اسلامی معاشرے کے ہر گوشے پر محیط ہے --- خواہ اس کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو اور خواہ حیات اجتماعیہ سے

(تقاریر حصہ دوم ص ۳۰)

گردہ ای کار خداوندان تمام بگذر از "لا" جانب الا خرام
داستان کہنہ شستی باب باب فکر را روشن کن از ام الکتاب

حضرت علامہ تو روس کو کلمہ طیبہ پر ایمان لانے کی تلقین فرما رہے ہیں جو دراصل اسلام کا نظام حیات قبول کرنے کی دعوت ہے۔ ہمارے کچھ پڑھے لکھے نوجوان اور خصوصاً وہ لوگ جن کی انڈین نیشنل کانگریس اور پنڈت جواہر لعل نہرو سے قربت رہی ہے علامہ کو مارکسٹ نظریات کا حامی خیال کرتے ہیں اور بعض تو اس قدر دور نکل گئے ہیں کہ وہ سوشلزم اور اسلام کو ہم معنی اور ہم مقصد سمجھنے لگے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام بھی سوشلزم کی طرح سرمایہ داری فیوڈل ازم اور ملوکیت کی نفی کرتا ہے لیکن اس جزوی مماثلت کی بناء پر اسلام اور سوشلزم کو ایک ہی ضابطہ حیات کے علمبردار ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان دونوں کے بنیادی نظریات میں بعد المشرقین موجود ہے۔ اسلام کی جملہ تعلیم کی اساس توحید پر ہے جب کہ سوشلزم کا بانی مارکس خدا کی ہستی کا منکر ہے اور اس کو حب افیون قرار دیتا ہے اور مذہب کے اخلاقی اصولوں اور قدار کو غریب عوام کے استحصال کو سرمایہ دارانہ حربہ تصور کرتا ہے۔ چند مشترک قدروں کی بنا پر بعض مادہ پرست اصحاب نے اسلامی سوشلزم کی اصطلاح بھی وضع کر لی ہے لیکن آج تک کسی نے اس کا صحیح مفہوم بیان کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ کارل مارکس کا نظریہ سوشلزم کئی قسم کی دہریت اور الحاد ہے۔ لہذا سوشلزم اور اسلام کا الحاق اجتماع ضدین ہے۔ سوشلزم کا نظریہ اسلام کے ساتھ پیوست نہیں ہو سکتا۔ اسلام حق و باطل کی تلبیس کو شرک قرار دیتا ہے۔ اور انسانوں کے بنائے ہوئے نظاموں سے الحاق کو ظلم عظیم سے تعبیر کرتا ہے۔ اندریں حالات سوشلزم اور اسلام ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

علامہ روس کے انقلاب سے کسی حد تک متاثر ضرور ہوئے کہ اس نے سرمایہ داری، ملوکیت اور کلیسا یا مذہبی پیشوائیت کے انسانیت کش اتحاد ثلاثہ سے اپنی قوم کو نجات دلا کر ایک بڑی کامیابی حاصل کی ہے جس کو وہ لا کی منزل کا مشکل اور کٹھن مرحلہ قرار دیتے ہیں، دوسرے وہ روسی انقلاب کو اس بنا پر بھی ایک نیک شگون تصور کرتے ہیں کہ شاید مسلم ممالک بھی اس انقلاب سے متاثر ہو کر ان غیر اسلامی اداروں کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جائیں اور الا کی آخری منزل پر رسائی کا راستہ صاف ہو جائے۔ روس کی اس کامیابی کے باوجود حضرت علامہ اس انقلاب کو نامکمل اور منفی رجحانات کا حامل تصور کرتے ہیں اور اس کو بھی الا کی مثبت اور انسان کی ترقی کی آخری منزل کی جانب سفر کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ حضرت علامہ پر امید ہیں کہ زود یا بدیر روس کلمہ توحید پر مکمل ایمان لا کر حلقہ بگوش اسلام ہو جائے گا۔ چونکہ کوئی قوم محض منفی نظریات

کے بل بوتے پر کامیابی اور کامرانی کی جملہ منزلیں طے نہیں کر سکتی اس کے لئے منفی اور مثبت نظریات و اقدامات کا اشتراک لازمی ہے جس کی عدم موجودگی کی وجہ سے مسلمان قوم بھی اپنی منزل کی طرف رسائی حاصل کرنے میں ناکام ہو کر رہ گئی ہے۔ مقام افسوس ہے کہ توحید پر کامل ایمان رکھنے کی دعویدار قوم ابھی تک لا الہ کی منزل تک بھی نہیں پہنچ سکی لیکن الا اللہ کے جنت بدوش انقلاب کی جانب اندھے اور بہروں کی طرح نامک ٹوئیاں مار رہی ہے لا کے بغیر الا کی جانب سعی کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔

حضرت علامہ فرماتے ہیں کہ:۔

درجہاں آغاز کار از حرف لا ست   لا نخستیں منزل مرد خدا ست

اور لا کرنا شیر دل مجاہدین اور سربکف مومنین کا کام ہے اور بزدل اور موت سے ہراساں لوگوں پر لا الہ کا چوغہ راست نہیں بیٹھتا:۔

قبائے لا الہ خونیں قبائے است   کہ بر بالائے نا مرداں دراز است

مومن کی منزل مقصود کے لئے آغاز سفر لا الہ پر ایمان محکم سے ہوتا ہے اور اس پر عمل جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر ہر قسم کے غیر اسلامی اداروں کو ختم کرنے سے ہو سکتا ہے۔ ماسوا اللہ کی حکومتوں اور طاغوتی اداروں کو مٹا کر ہی الا اللہ کی آخری منزل تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ لا کا مرحلہ بہت مشکل ہے اور ہر قسم کی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ مرحلہ جذبہ عشق یا ذوق و شوق اور سوز و درد کے حامل لوگ سر دھڑ کی بازی لگا کر ہی طے کر سکتے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں:

لا مقام ضرب ہائے پے بہ پے   لا غو رعد است نے آواز نے

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق مسلمان وہ لوگ ہیں جو اپنی جان اور مال خداوند تعالیٰ کے پاس جنت یا جنتی معاشرے کے عوض فروخت کر دیتے ہیں۔ لہذا ان کا اپنے جان و مال پر کچھ اختیار نہیں رہتا اور وہ خدا کے حکم کے مطابق جنتی معاشرہ قائم کرنے کے لئے ہر وقت جان و مال کی قربانی پیش کرنے کے لئے کمر بستہ رہتے ہیں۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ اسلام کا دعویٰ کرنے والوں میں بہت ہی کم لوگ خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانی کے جذبے سے سرشار ہیں۔ مسلمان تو موت سے کافروں کی طرح ڈرتا ہے اور جہاد و شہادت کے جذبے سے بہت حد تک نا آشنا ہو چکا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کرنے سے اس نے اقوام عالم میں اپنے اعلیٰ مقام کو کھو دیا ہے۔ موت سے لرزاں و ترساں ہونا مومن کی شان کے خلاف ہے اس لئے

حضرت علامہ مسلمان کو موت کے خوف سے نجات دلانے کے لئے دعائیں کرتے ہیں ۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ :۔

اے تو ما بے چارگاں را ساز و برگ وا رہاں ایں قوم را از ترس مرگ

مسلمان کی موجودہ حالت تو یہ ہے :۔

ہر زماں اندر تلاش ساز و برگ آخر او را چیست تلخیہائے مرگ

مسلمان موت کے خوف سے اسی صورت میں رہائی حاصل کر سکتا ہے جب لا الہ کے مفہوم و مقصد کو وہ اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنا کر اس پر مومنانہ استقامت سے جما رہے

سوشلزم کا بانی کارل مارکس حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسل سے ہے ۔ علامہ نے اس کو پیغمبر بے جبرائیل کہ کر پکارا ہے اور پھر یہ فرمایا کہ اس کے نظریات میں حق و باطل کی آمیزش ہے اس لئے اس کا دل تو مومن کا ہے لیکن اس کا دماغ کافرانہ ہے ۔ کارل مارکس کا دل تو سرمایہ داری ملوکیت اور کلیسا کے جور و ستم اور استحصالی حربوں پر آنسو بہاتا تھا لیکن اس کا ذہن کفر و الحاد میں ملوث تھا ۔ اس لیے عوام کو اوپر کے طبقوں کے ظلم سے نجات دلانے کے لیے جو فلسفہ اس نے پیش کیا وہ سراپا کفر والحاد ، دہریت اور عریاں مادیت کا حامل اور علمبردار تھا ۔ اسی لیے حضرت علامہ نے قوم روس کو اپنی فکر اور ذہنی صلاحیتوں کو قرآنی اقدار کے ابدی اور اٹل نور ہدایت سے منور کرنے کی تلقین فرمائی ۔ علامہ فرماتے ہیں کہ :۔

داستان کہنہ شستی باب باب فکر را روشن کن از ام الکتاب

اس سلسلہ میں ابلیس کی مجلس شوریٰ کے چند اشعار یہاں پیش کئے جاتے ہیں تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ حضرت علامہ نے روس کو کیوں قرآن حکیم سے روشن کرنے کی تلقین کی ہے اور اس لئے بھی کہ علامہ کے اشتراکیت کے متعلق نظریہ کی مزید وضاحت ہو جائے :

دست فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو
کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار آشفتہ مغز آشفتہ مو

ہے اگر مجھ کو کوئی خطرہ تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے
مزدکیت فتنہ فردا نہیں اسلام ہے

جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندہ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے ید بیضا ہے پیران حرم کی آستیں
عصر حاضر کے تقاضوں سے ولیکن ہے یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں
الحذر آئین پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظ ناموس زن مرد آزما مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقان نے فقیر رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں

زیر بحث موضوع کے آخر میں علامہ کے سوشلزم کے متعلق نظریئے کی وضاحت کے لئے اور اس اتہام کی تردید کی خاطر کہ علامہ سوشلسٹ تھے ان کے کلام سے مزید اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

علامہ فرماتے ہیں:۔

رنگ و بو از تن نہ گیرد جان پاک
جز بہ تن کارے ندارد اشتراک
دین آں پیغمبرے حق ناشناس
بر مساوات شکم دارد اساس
مشرق از سلطانی مغرب خراب
اشتراک از دین و ملت بردہ تاب
روسیاں نقش نوی انداختند
آب و ناں بردند دین درباختند

مغربی تہذیب و تمدن

موضوع بالا پر علامہ کے فرمودات

آدمیت زار نالید از فرنگ ۔ زندگی ہنگامہ چید از فرنگ
یورپ از شمشیر خود بسمل فتاد زیر گردوں رسم لا دینی نہاد
گرگے اندر پوستین برۂ ہر زمان اندر کمین برۂ
مشکلات حضرت انساں ازواست آدمیت را غم پنہاں ازواست
در نگاہش آدمی آب و گل است کاروان زندگی بے منزل است

علم اشیاء خاک ما را کیمیاست آہ در افرنگ تاثیرش جدا ست
عقل و فکرش بے عیار خوب و زشت علم ازو رسواست اندر شہر و دشت
با خساں اندر جہان خیر و شر در نہ سازد مستی علم و ہنر
علم حق را ساحری آموختند ساحری نے کافری آموختند
آہ از افرنگ و از آئین او آہ از اندیشہ لا دینی او
ہر طرف صد فتنہ می آرد نفیر تیغ را از پنجۂ رہزن بگیر
اے کہ جاں را باز می دانی ز تن سحر ایں تہذیب لا دینی شکن

شرع یورپ بے نزاع و قیل و قال برہ را کرد است بر گرگاں حلال
نقش نو اندر جہاں باید نہاد از کفن دزداں چہ امید کشاد
اے اسیر رنگ پاک از رنگ شو مومنی خود کافر افرنگ شو
خیز و از کار امم بکشا گرہ نشۂ افرنگ را از سر بنہ
نقش از جمعیت خاور فگن وا ستان خود را ز دست اہرمن
دانی از افرنگ و از کار فرنگ تا کجا در قید زنار فرنگ

زخم ازو سوزن ازو نشتر ازو — ما و جوئے خون و امید رفو
بے نیاز از کارگاہ او گذر — در زمستان پوستین او مخر
کشتن بے حرب و ضرب آئین او — مرگ ہا در گردش ماشین او
گوہرش تف دار و در لعلش رگ است — مشک ایں سوداگر از ناف سگ است
ہوشمندے از خم او مے نخورد — ہر کہ خورد اندر ہمیں میخانہ مرد
آنچہ از خاک تو رست اے مرد حر — آن فروش و آن بپوش و آں بخور

(پس چہ باید کرد اے اقوام شرق)

فرنگ آئین جمہوری نہاد است — رسن در گردن و پوے کشاد است
ز باغش کشت ویرانے نکوتر — ز شہر او بیابانے نکوتر
وائے بر دستور جمہور فرنگ — مردہ تر شد مردہ از صور فرنگ (زبور عجم)

گرچہ دارد شیوہ ہائے رنگ رنگ — من بجز عبرت نہ گیرم از فرنگ
اے بہ تقلیدش اسیر آزاد شو — دامن قرآن بگیر آزاد شو
می شناسی چیست تہذیب فرنگ — در جہان او دو صد فردوس رنگ
ظاہرش تابندہ و گیرندہ الیست — دل ضعیف است و نگہ را بندہ الیست
جلوہ ہایش خانماں ہا سوختہ — شاخ و برگ و آشیاں ہا سوختہ
غربیاں را شیوہ ہائے ساحری است — تکیہ جز بر خویش کردن کافری است

شرق را از خود برد تقلید غرب — باید ایں اقوام را تنقید غرب
قوت مغرب نہ از چنگ و رباب — نے ز رقص دختران بے حجاب
نے ز سحر ساحران لالہ روست — نے ز عریاں ساق نے از قطع موست
محکمی او را نہ از لا دینی است — نے فروغش از خط لاطینی است

قوت افرنگ از علم و فن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است

(جاوید نامہ)

بیکاری و عریانی و میخواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام
یا غازہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات
تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں سخت بہت بندہ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظر روز مکافات

شفق نہیں مغربی افق پر یہ جوئے خوں ہے یہ جوئے خوں ہے
طلوع فردا کا منتظر رہ کہ دوش و امروز ہے فسانہ
وہ فکر گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بے تاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ
جہان نو ہو رہا ہے پیدا یہ عالم پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ
ہوائیں انکی فضائیں انکی جہاز ان کے سمندر انکے
گرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر بھنور ہے تقدیر کا بہانہ
اٹھانہ شیشہ گران فرنگ کے احسان
سفال ہند سے مینا و جام پیدا کر

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو
آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور
زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
وہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لب گور
فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک خیال بلند و ذوق لطیف

ہوا ہے بندہ مومن فسونی افرنگ — اسی سبب سے قلندر کی آنکھ ہے نمناک
ترے بلند مناصب کی خیر ہو یارب — کہ اس کے واسطے تو نے کیا خودی کو ہلاک

تری حریف ہے یارب سیاست افرنگ — مگر ہیں اس کے پجاری فقط رئیس و امیر
بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے — بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس

کہاں فرشتہ تہذیب کی ضرورت ہے — نہیں زمانہ حاضر کو اس میں دشواری
جہاں قمار نہیں زن تنک لباس نہیں — جہاں حرام بتاتے ہیں شغل میخواری
نظروران فرنگی کا ہے یہی فتویٰ — وہ سرزمیں مدنیت سے ہے ابھی عاری

مری نگاہ میں ہے یہ سیاست لا دین — کنیز اہرمن و دوں نہاد مردہ ضمیر

ہوئی ہے ترک کلیسا سے حاکمی آزاد — فرنگیوں کی سیاست ہے دیو بے زنجیر
(ضرب کلیم)

مشرق کے خداوند سفیدان فرنگی — مغرب کے خداوند درخشندہ فلزات
یورپ میں ہدف روشنی علم و ہنر ہے — حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت — پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

قرآن حکیم پر تفکر اور تدبر نے حضرت علامہ کو کتاب اللہ کا گرویدہ بلکہ عاشق بنا دیا تھا اور ان کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ کتاب اللہ کے احکام و اقدار کی اساس پر جنت بداماں اسلامی معاشرے کی تعمیر و تشکیل کر کے تخلیق آدم کے مقصد حیات کو پورا کیا جائے اور اس مثالی

معاشرے کو اقوام عالم کے سامنے بطور نمونہ پیش کر کے ان کے اپنی تہذیب و مدنیت پر تفخر و مباہات کے غلط تاثر کو ختم کیا جائے اور اقوام مشرق خصوصاً ملت مسلمہ کو مغربی نظریات و تصورات کے تباہ کن اثرات اور ان کی کورانہ تقلید سے محفوظ و مامون بنا کر خالص اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نظام حیات سے سرفراز کیا جائے۔ بنا بریں انہوں نے مغرب کے مادیت اور لا دینی پر مبنی معاشرے کی حکیمانہ انداز سے مذمت کی ہے۔ یورپ میں قیام کے دوران علامہ نے وہاں کے تہذیب و تمدن کا قریب سے مشاہدہ کیا اور مغربی حکما اور اہل قلم حضرات کی تصانیف کا بغور مطالعہ کیا اور ان کے نظریات حیات کا علیٰ وجہ البصیرت تجزیہ کر کے اس نتیجہ پر پہنچے کہ فرنگی یا مغربی تصورات ملت اسلامیہ کے لئے زہر ہلاہل کی تاثیر رکھتے ہیں اس لئے انہوں نے مغربی تہذیب و مدنیت کو تلخ اور پر زور الفاظ میں ہدف تنقید بنایا اور مسلمانوں کو خاص کر ان کے مادی اور لا دینی نظریات سے اجتناب کرنے کی تلقین فرمائی۔ مغرب کے تمدن کی ظاہری چمک دمک اور سیاسی دبدبہ حضرت علامہ کو قطعاً مرعوب نہ کر سکا اور جب انہوں نے یورپ کے معاشرے کے اندر جھانک کر دیکھا تو وہ فرنگ کی مادہ پرستی کے رجحانات سے سخت مایوس ہوئے علامہ فرماتے ہیں کہ:

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا

مغرب والے مادیت کے اس قدر شکار ہو چکے ہیں کہ ان کی نظر میں انسان بھی ایک مادی شے ہے جس کی زیب و زینت اور اس کے لئے حصول مسرت و انبساط زندگی کا مقصد اور منتہیٰ ہے اور خوشی کے راستے میں ہر طرح کی اخلاقی یا روحانی قیود درخور اعتنا نہیں۔ لیکن مغربی قوم کی سیاست جو ان کی مدنیت پر حاوی ہے میکیاولی کے نظریات و تصورات پر قائم ہے، وہ میکیاولی جو ببانگ دہل اعلان کرتا ہے کہ حکمرانی کے لئے اخلاقیات کے نظریے بیکار اور بے معنی ہیں۔ حکمران کو مروجہ اخلاقی تصور کو بالائے طاق رکھ کر وہ راہ اختیار کرنی چاہیئے جو ملک و قوم کے لئے فائدہ مند ہو۔ وہ کہتا ہے کہ قوم کے مفاد میں حکمران کو دروغگوئی اور منافقانہ میثاق کرنے

میں کوئی عار محسوس نہیں ہونا چاہئے۔ اگر غیر ممالک سے ایسے معاہدے ہو گئے ہیں جو بعد کے حالات میں ملک کے مفاد میں نہیں رہے تو ان کو توڑنے میں ہرگز پس و پیش نہیں ہونا چاہئے لیکن ایسے معاہدوں کی تنسیخ کے لئے جو وجوہ بیان کی جائیں ان کو نہایت خوبصورت اور شیریں الفاظ کا جامہ پہنانا چاہئے۔ میکیاولی خالص سیکولر نظریہ حکومت کا بانی تصور کیا جاتا ہے اور مغرب کی تقریباً تمام حکومتیں اسی کے نظریات پر قائم ہیں۔

سیاست کے یہ نظریات اسلام کے اخلاقی اصولوں اور قدار سے متصادم ہیں۔

حضرت علامہ فرماتے ہیں کہ

یورپ کا عائلی اور سماجی نظام پاکیزگی نفس اور عفت و عصمت کی اخلاقی قدروں سے جس کے بغیر حقیقی اور پائیدار انسانی ترقی کا حصول ممکن نہیں، عاری ہے۔ جنسی بے راہ روی اور شرم و حیا کے فقدان نے مغربی مدنیت کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ مغربی معاشرے میں حلال اور حرام کا تصور بھی غائب ہے چونکہ ان کے پاس حلال و حرام میں تمیز کرنے کا کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ مغرب میں خمریات اور منشیات کا استعمال جو دل و دماغ پر تباہ کن اثرات مرتب کرتے ہیں، مرد و زن میں عام ہے اور اس کو قطعاً معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ ان خرابیوں کی وجہ سے حضرت علامہ نے یورپی تہذیب و تمدن پر تنقید اور مذمت کے زہر آلودہ تیر برسائے ہیں اور اقوام مشرق کو مغرب کی تقلید کے مضر اثرات سے متنبہ کیا ہے۔

لیکن ان خرابیوں اور اخلاقی اسقام کے باوجود اہل مغرب نے علوم و فنون خصوصاً سائنس کے میدان میں جو ترقی کی ہے وہ قابل رشک ہے۔ دوسری طرف اہل مشرق خصوصاً مسلم ممالک نے مغرب کی تہذیب و تمدن کے خراب اور مضر پہلوؤں کی اندھا دھند تقلید کر کے اسلامی معاشرے کے اجزائے ترکیبی کو درہم برہم کر دیا ہے اور اس کورانہ پیروی سے اقوام مشرق ذہنی جمود و سکوت میں گرفتار ہیں اور علوم و فنون کے حصول کو اکثر اقوام مشرق نے شجر ممنوعہ قرار دے رکھا ہے۔ مغرب نے علوم و فنون اور خاص کر سائنس کے میدان میں بے پناہ ترقی کی ہے اور تسخیر کائنات کا فریضہ جس کی قرآن حکیم میں بار بار تاکید کی گئی ہے، مسلمانوں کے بجائے اہل مغرب نے سر انجام دے کر بحر و بر اور فضائے آسمانی پر اپنی حکومت قائم کر رکھی ہے چونکہ مغرب کے اہل علم اور سائنس دان تسخیر کائنات کے مقصد کو جو فلاح و بہبود بنی آدم ہے، ہدایت ربانی سے محروم ہونے کی وجہ سے بھول چکے ہیں اور سائنسی ترقی کو انتہائی مہلک اسلحہ اور ہتھیار

اور لیتھم اور ہائیڈروجن بموں کے بنانے کے لئے استعمال کر کے انسانی تباہی اور بربادی کے سامان پیدا کر لئے ہیں۔ اگر اس بار کوئی عالمی جنگ چھڑ گئی تو انسانوں کی اکثریت اس بے رہ سائنسی ترقی کی نذر ہو جائے گی۔ اور ایسی جنگ نے طول کھینچا تو یہ دنیا کے جملہ انسانوں کے خاتمے اور تباہی پر منتج ہو سکتی ہے۔
علامہ فرماتے ہیں کہ:

وہ فکر گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بیتاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

لیکن اگر اس تباہ کن اسلحہ پر کنٹرول حاصل کر لیا جائے یا اس کو تباہ کر کے مزید لیتھم

دہریت چوں جامہ مذہب درید — مرسلے از حضرت شیطان رسید
آں فلارنساوی باطل پرست — سرمۂ او دیدہ مردم شکست
فطرت او سوئے ظلمت بردہ رخت — حق ز تیغ خامہ او لخت لخت
بتگری مانند آزر پیشہ اش — بست نقش تازہء اندیشہ اش
مملکت را دین او معبود ساخت — فکر او مذموم را محمود ساخت
بوسہ تا بر پائے ایں معبود زد — نقد حق را بر عیار سود زد
باطل از تعلیم او بالیدہ است — حیلہ اندازی فنے گردیدہ است
طرح تدبیر زبوں فرجام ریخت — ایں خسک در جادہ ایام ریخت
شب بچشم اہل عالم چیدہ است — مصلحت تزویر را نامیدہ است

حضرت علامہ نے میکیاولی کے نظریہ حکومت کی مندرجہ بالا اشعار میں سخت مذمت کی ہے اور اس فلارنس کے باشندے کو شیطان کا فرستادہ قرار دے کر اس کے طاغوتی نظریات کو بے نقاب کیا ہے۔ مغرب کے بیشتر ممالک میں سرمایہ داری کا نظام جو حضرت انسان کی اکثر مشکلات اور مصائب کی جڑ ہے قائم ہے اور جن ممالک میں وہاں روس کی اقتدار میں اشتراکیت قائم ہے وہاں بھی عوام کے معاشی مسائل تسلی بخش طور پر حل نہیں ہو سکے۔

ار ہائیڈروجن بنانے پر پابندی لگا دی جائے تو پھر مغرب اپنی سائنسی ترقی پر بجا طور پر فخر کر سکتا ہے مقام افسوس ہے کہ مسلمان قوم جس نے اوائل میں علوم و فنون اور سائنس کی ترقی کے لئے زمین ہموار کر کے مغرب کی رہنمائی کی ، آج اس میدان میں سب قوموں سے پیچھے ہے ۔ بلکہ پرلے درجے کے ذہنی جمود اور فکری انحطاط میں مبتلا ہو کر اقوام عالم میں اپنا وقار کھو چکی ہے اور احساس زیاں تک ختم ہو چکا ہے ۔

علامہ فرماتے ہیں :-

یہ کس کافر ادا کا غمزہء خونریز ہے ساقی
متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا
وائے محرومی متاع کارواں جاتا رہا

مقام نسواں

موضوع بالا پر حضرت علامہ کے اشعار حقیقت آشکار ا

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا
مگر یہ مسئلۂ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پروین
وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اسکی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا در مکنوں
مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطوں

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ نہ تعلیم نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت
ہے حضرت انساں کے لئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر
غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود

راز ہے اس کے تپ غم کا یہی نکتہ شوق
آتشیں لذت تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرار حیات
گرم اسی آگ سے ہے معرکہ بود و نبود

ضرب کلیم

اے ردایت پردہ ناموس ما
تاب تو سرمایہ فانوس ما
طینت پاک تو مارا رحمت است
قوت دین و اساس ملت است
کودک ما چوں لب از شیر تو شست
لاالہ آموختی او را نخست
می تراشد مہر تو اطوار ما
فکر ما گفتار ما کردار ما
آب بند نخل جمعیت توئی
حافظ سرمایہ ملت توئی
فطرت تو جذبہ ہا دارد بلند
چشم ہوش از اسوہ زہرا مبند
تا حسینے شاخ تو بار آورد
موسم پیشیں بگلزار آورد
مادر آن مرکز پرکار عشق
مادر آں کارواں سالار عشق
آں یکے شمع شبستان حرم
حافظ جمعیت خیرالامم
در نوائے زندگی سوز از حسین
اہل حق حریت آموز از حسین
سیرت فرزندہا از امہات
جوہر صدق و صفا از امہات
مزرع تسلیم را حاصل بتول
مادراں را اسوہ کامل بتول
رشتہء آئین حق زنجیر پاست
پاس فرمان جناب مصطفے است
ورنہ گرد تربتش گردید مے
سجدہ ہا بر خاک او پاشید مے

نغمہ خیز از زخمہء زن ساز مرد
از نیاز او دوبالا ناز مرد
پوشش عریانی مرداں زن است
حسن دلجو عشق را پیراہن است

مسلمے کو را پرستارے شمرد
بہرۂ از حکمت قرآں نہ برد
گفت آں مقصود حرف کن فکاں زیر پائے امہات آمد جناں

رموز بیخودی

بہل اے دخترک ایں دلبری ہا مسلماں را نہ زیبد کافری ہا
منہ دل بر جمال غازہ پرورد بیاموز از نگہ غارتگری ہا
جہاں را محکمی از امہات است نہاد شاں امین ممکنات است
اگر ایں نقطہ را قومے نداند نظام کاروبارش بے ثبات است

مرا داد ایں خرد پرور جنونے نگاہ مادر پاک اندرونے
ز مکتب چشم و دل نتواں گرفتن کہ مکتب نیست جز سحر و فسونے

خنک آں ملتے کز وارداتش قیامت ہا بہ بیند کائناتش
چہ پیش آید چہ پیش افتاد او را تواں دید از جبین امہاتش

اسلام سے پہلے دنیا کے تمام ممالک میں عورت کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ عیسائیت میں تو عورت کو حضرت آدم کو جنت سے پھسلا کر نکلوانے اور خدا کی نافرمانی کا بیج بونے اور گناہ اول کا ارتکاب کرنے والی قرار دیا گیا اور اس کو انسان کی تمام مشکلات، مصائب والآلام کا سر چشمہ اور قابل نفرت مخلوق سمجھا گیا۔ عیسائیوں کا مذہبی لٹریچر عورت پر طعن و تشنیع سے بھرا ہوا ہے۔ لیکن مقام حیرت، افسوس ہے کہ باوجودیکہ اسلام نے عورت کو بہت بلند مقام عطا کیا ہے اور عورت اور مرد کو مساوی حقوق سے نوازا ہے، ہم مسلمانوں نے بھی عورت کے متعلق تقریباً وہی نظریات قائم کر لئے جو عیسائیت میں موجود تھے اور ان کو اپنے مذہبی لٹریچر میں شامل کر کے

اسلام کی تعلیم کا حصہ بنا لیا اور عورت کو حقارت سے پاؤں کی جوتی اور لونڈی سمجھا جانے لگا اور یہ غیر اسلامی تصور عام ہو گیا کہ عورت کو مرد کی خدمت اور ناز برداریوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت علامہ نے فرمایا کہ ا

مسلمے کو را پرستارے شمرد بہرہ از حکمت قرآں نبرد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم کے ارشاد کے مطابق ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ لڑکی کی پیدائش کو لڑکے سے کم تر اور حقیر سمجھا جانے لگا ہے۔ لڑکے کی پیدائش پر خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ باجے اور شہنائیاں بجتی ہیں۔ لڈو تقسیم کئے جاتے ہیں اور مبارکبادیں دی جاتی ہیں مگر لڑکی کے پیدا ہونے پر کسی قسم کی خوشی کا اظہار نہ ماں باپ کرتے ہیں اور نہ دوسرے عزیز و اقارب اس میں شامل ہوتے ہیں۔ صدیوں کے تحقیر اور ذلت آمیز رویے نے مسلمان خواتین میں احساس کمتری پیدا کر دیا ہے اور وہ اپنے آپ کو مردوں سے فرد و تصور کرتی ہیں۔ اور ہمیشہ اس کوشش میں لگی رہتی ہیں کہ مرد کو ہر طرح سے خوش رکھا جائے۔ اسلام نے عورت اور مرد کی مساوات کا جو درس دیا ہے وہ دلوں سے محو ہو گیا ہے۔ عورت صدیوں سے مظلوم و مقہود ہے اور مردوں کے نازیبا رویہ کی وجہ سے اپنے اعلیٰ مقام سے جو اسلام نے اس کو دیا ہے بے خبر ہو چکی ہے۔

انبیاء کرام، مجدد دین، فلاسفروں اور سائنس دانوں کو جنم دینے والی خواتین کو وہ مقام ابھی حاصل نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے متعین کیا ہے۔ مشرق تو درکنار مغرب بھی اپنے بلند بانگ دعووں کے باوجود عورتوں کو وہ مقام نہیں دے سکا جس کی وہ بحیثیت قوم کی ماؤں کے مستحق ہیں۔

جب تک ہم مسلمان عورت کو وہ مساوات اور برابری کا مقام دے کر اس کے احساس کمتری کو ختم نہیں کرتے، مسلمان قوم نہ تو مومن صفات بچے پیدا کر سکتی ہے اور نہ اس کو اقوام عالم امامت اور نگہبانی کا مقام اعلون حاصل ہو سکتا ہے جو احکام الہیٰ پر عمل کرنے کی صورت میں اس کا مقدر متعین ہو چکا ہے۔ قوم کی زندگی میں مرد اور عورت کی پوزیشن گاڑی کے دو پہیوں کی ہے اور جب تک دونوں پہیے ہر لحاظ سے ٹھیک طور پر کام نہیں کرتے، قوم کی گاڑی منزل مقصود تک ہرگز نہیں پہنچ سکتی۔

قوم کی تعمیر کا انحصار ماؤں کی تعلیم و تربیت پر ہوتا ہے اور افراد قوم کو وہی مائیں اخلاق و عمل کی خوبیوں سے سرفراز کر سکتی ہیں جو خود اخلاق و کردار اعلیٰ سے آراستہ و پیراستہ ہوں۔ قومیں

ماؤں کی گود میں پرورش پاتی تھی اسی بنا پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت ماؤں کے پاؤں کے نیچے ہے ، جس کا یہ بھی مطلب ہے کہ جنتی معاشرے کی تشکیل ماؤں کے ہاتھ میں ہے ۔ اسلامی نظام کے قیام کے لئے ایسی ماؤں کی ضرورت ہے جن کے دل و دماغ اسلامی اقدار اور اصولوں سے منور ہوں اور وہ اخلاق و کردار کے ان اصولوں کی عظمت اور منفعت سے باخبر ہو کر بچوں کے ذہنوں کو ان کے مطابق ڈھال سکیں ۔ ذہنی اور اندرونی انقلاب کے بغیر بیرونی دنیا میں کسی انقلاب کا وجود میں آنا ممکن نہیں ۔

جب تک افراد ملت میں یہ احساس شدت سے پیدا نہیں ہوتا کہ دنیا میں ان کی فلاح و بہبود کا انحصار خدا کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے میں ہے اور ان سے انحراف دین و دنیا میں خسران و نامرادی ہے ، اسلامی نظام کا نفاذ کبھی عمل میں نہیں لایا جا سکتا ۔ چونکہ یہی احساس نوجوانان ملت میں ہر قیمت پر اسلامی انقلاب لانے کا جذبہ پیدا کر کے ان کو اس منزل کے حصول کی خاطر ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی پیش کرنے کے لئے آمادہ کر سکتا ہے اسی جذبہ کو اسلامی اصطلاح میں تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسلامی نظام کو متقی لوگ ہی معرض وجود میں لا سکتے تھے ۔ یہ جذبہ اتقا اسلامی تعلیم سے سرشار مائیں ہی بچوں میں پیدا کر کے ان میں صحیح اسلامی سیرت کی تشکیل کر سکتی تھی جیسا کہ حضرت علامہ نے فرمایا ہے :

سیرت فرزندہا از امہات
جوہر صدق و صفا از امہات

ابتدائی قدم کے طور پر ہر مسلمان کا یہ دینی فریضہ ہے کہ وہ خواتین کے دل و دماغ سے احساس کمتری ، جو انسانی ذات کی نشو و نما میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے ، کو محو کرنے کے لئے حتی المقدور پر خلوص کوشش کرے اور پھر ان میں قرآن حکیم کا مطالعہ اور اس کی پر حکمت آیات پر تدبر و تفکر کر کے ان کے صحیح مفہوم و مقصد کو سمجھنے کی استعداد پیدا کی جائے ۔ اس کے بعد مائیں خود بشوق و رغبت یہ صلاحیت اپنے بچوں میں منتقل کرنے کی سعی بلیغ کریں گی ۔ اور اس طرح ہمارے بچے اسلام کے انقلاب آفرین پیغام سے آشنائی حاصل کر کے زندگی کے ہر گوشے میں اسلام کے احکام و اقدار نافذ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور اسلام کے نظام حیات کا نفاذ عمل میں لایا جا سکے گا ۔

خواتین کو دین و دنیا کی اعلیٰ تعلیم کے علاوہ عصمت و عفت اور شرم و حیا کے زیورات سے آراستہ کرنا اور مردوں میں اعلیٰ تعلیم کے ساتھ پاکئی قلب و نگہ کا پیدا کرنا وقت کے اہم تقاضے

ہیں - ہر فرد ملت میں یہ احساس پیدا ہو کہ قوم کی بیٹیاں بہنیں اور مائیں اس کی اپنی بہنیں ، بیٹیاں اور مائیں ہیں اور بجز شادی ، جنسی تعلقات پیدا کرنا بد ترین اور ذلیل ترین حرام فعل ہے جنسی بے راہ روی میں گرفتار قوم کی زود یا بدیر تباہی یقینی اور لازمی امر بن جاتی ہے ۔

ہمیں مغرب کے معاشرتی حالات سے سبق حاصل کرنا چاہیئے ۔ مغرب کے اہل فکر حضرات وہاں کی جنسی بے راہ روی پر سخت پریشان ہیں ۔ شتر بے مہار قسم کی آزادی نسواں نے مغربی معاشرے میں بے شمار خرابیاں پیدا کر دی ہیں اور گو علوم وفنون و دولت کی ریل پیل کی بدولت معاشرے کی خرابیاں نہیں ہیں اور اس کی چمک دمک بظاہر قائم نظر آتی ہے ۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مغربی معاشرہ اندر سے کھوکھلا ہو چکا ہے اور وقت گزرنے پر اس میں مزید دراڑیں پیدا ہو رہی ہیں اس لئے ہمیں مغرب کی کورانہ تقلید سے اپنے آپ کو بچانا چاہیئے ۔

علامہ اقبال حضرت فاطمہ خاتون جنت کی ذات والا صفات سے والہانہ عقیدت اور احترام کا اظہار کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت امام جیسے عظیم فرزند کو اپنی آغوش عافیت میں پروان چڑھایا اور ان کی اسلامی خطوط پر تربیت کر کے ان کو اسلامی تاریخ میں ملوکیت کے خلاف پہلے معرکہ میں جہاد کر کے شہادت عظمیٰ کا بلند ترین مقام حاصل کرنے کے لئے تاریخ ساز شرف عظیم کا مستحق بنایا ۔

علامہ حضرت فاطمتہ الزہرا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے قوانین کی زنجیر میرے پاؤں نہ روکتی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا پاس نہ ہوتا تو وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مزار مبارک کا طواف کرتے اور ان کی خاک پاک پر سجدہ پاشی کا شرف حاصل کرتے ۔ علامہ کی اس زبردست خواہش کا محرک یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسین جیسے شہید اعظم فرزند کو جنم دیا جنہوں نے اپنے ۲۷ عزیز و اقارب کی جانیں توحید کی حفاظت کی خاطر قربان کر دیں ، جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں کم ملتی ہے ۔

اس بنا پر حضرت علامہ مسلم خواتین سے حضرت فاطمہ کے اسوہ کامل کو مشعل راہ بنانے کی تلقین فرماتے ہیں تاکہ وہ بھی جذبہ شہادت سے سرشار فرزند پیدا کر سکیں ۔ حضرت علامہ "مخدرات اسلام" کے تحت رموز بیخودی میں فرماتے ہیں کہ ا

ہوشیار از دستبرد روزگار گیر فرزندان خود را در کنار
ایں چمن زاداں کہ پر نکشادہ اند ز آشیان خویش دور افتادہ اند

فطرت تو جذبہ ہا دارد بلند چشم ہوش از اسوہ زہرا مبند
تا حسینے شاخ تو بار آورد
موسم پیشیں بگلزار آورد

دوسری جگہ فرمایا کہ:

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر کہ در آغوش شبیرے بگیری

حضرت بتول سے تربیت یافتہ فرزند حضرت حسین کی سیرت کی وضاحت میں علامہ کے چند اشعار درج ذیل کئے جاتے ہیں:

آں امام عاشقاں پور بتول سرو آزادے ز بستان رسول
سرخ رو عشق غیور از خون او شوخی ایں مصرع از مضمون او
درمیان است آں کیواں جناب ہمچو حرف قل ہو اللہ در کتاب
موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید ایں دو قوت از حیات آید پدید
زندہ حق از قوت شبیری است باطل آخر داغ حسرت میری است
تا قیامت قطع استبداد کرد موج خون او چمن ایجاد کرد
بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است پس بنائے لا الہ گردیدہ است
مدعایش سلطنت بودے اگر خود نہ کردے باچنیں ساماں سفر
دشمناں چوں ریگ صحرا لا تعد دوستان او بہ یزداں ہم عدد
سر ابراہیم و اسمٰعیل بود یعنی آں اجمال را تفصیل بود
تیغ بہر عزت دیں است و بس مقصد او حفظ آئیں است و بس
ما سوااللہ را مسلماں بندہ نیست پیش فرعونے سرش افگندہ نیست
خون او تفسیر ایں اسرار کرد ملت خوابیدہ را بیدار کرد
تیغ لا چوں از میاں بیروں کشید از رگ ارباب باطل خون کشید
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت سطر عنوان نجات ما نوشت
رمز قرآن از حسین آموختیم
ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم

شعر و شاعری

گفت آں شعرے کہ آتش اندروست　　اصل او از گرمی اللہ ہوست
آں نوا گلشن کند خاشاک را　　آں نوا برہم زند افلاک را
خون ازو اندر بدن سیار تر　　قلب از روح الامین بیدار تر
شاعر اندر سینہء ملت چو دل　　ملت بے شاعرے انبار گل
شعر را مقصود اگر آدم گری است
شاعری ہم وارث پیغمبری است

ضمیر امتاں را می کند پاک　　کلیمے یا حکیمے نے نوازے

وہ شعر کہ پیغام حیات ابدی ہے　　یا نغمہء جبریل ہے یا بانگ سرافیل

ہندی اور عجمی گل و بلبل کی شاعری کے متعلق ارشادات حضرت علامہ :-

شاعر ہندی خدایش یار باد　　جان او بے لذت گفتار باد
عشق را خنیاگری آموختہ　　با خلیلاں آزری آموختہ
حرف او چاویدہ و بے سوز و درد　　مُردہ خوانند اہل درد او را نہ مَرد

آں نوائے خوش کہ نشناسد مقام　　خوش تر آں حرفے کہ گوئی در منام
سوز و مستی نقشبند عالمے ست　　شاعری بے سوز و مستی ماتمے ست
اے بسا شاعر کہ از سحر ہنر　　رہزن قلب است و ابلیس نظر

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا
مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا
جس سے دل دریا متلاطم نہیں ہوتا اے قطرہ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

تاثیر غلامی سے خودی جس کی ہوئی نرم اچھی نہیں اس قوم کے حق میں عجمی لے
ہے شعر عجم گرچہ طربناک و دل آویز اس شعر سے ہوتی نہیں شمشیر خودی تیز
افسردہ اگر اس کی نوا سے ہو گلستاں
بہتر ہے کہ خاموش رہے مرغ سحر خیز
وہ ضرب اگر کوہ شکن بھی ہو تو کیا ہے
جس سے متزلزل نہ ہوئی دولت پرویز

ہنروران ہند

عشق و مستی کا جنازہ ہے تخیل ان کا ان کے اندیشہ تاریک میں قوموں کے مزار
موت کی نقش گری ان کے صنم خانوں میں زندگی سے ہنر ان برہمنوں کا بیزار
چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار
ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

وائے قومے کز اجل گیرد برات شاعرش وا بوسد از ذوق حیات

خوش نماید زشت را آئینہ اش | در جگر صد نشتر از نوشینہ اش
بوسۂ او تازگی از گل برد | ذوق پرواز از دل بلبل برد
سست اعصاب تو از افیون او | زندگانی قیمت مضمون او
می رباید ذوق رعنائی ز سرو | جرہ شاہین از دم سردش تدرو
ماہی و از سینہ تا سر آدم است | چوں بنات آشیاں اندر یم است
از نوا بر نا خدا افسوں کند | کشتیش در قعر دریا افگند
نغمہ ہایش از دلت دزدد ثبات | مرگ را از سحر او دانی حیات
دایۂ ہستی ز جان تو برد | لعل عنابی ز کان تو برد
چوں زیاں پیرایہ بندد سود را | می کند مذموم ہر محمود را
در یم اندیشہ اندازد ترا | از عمل بیگانہ می سازد ترا
خستۂ ما از کلامش خستہ تر | انجمن از دور جامش خستہ تر
حسن او را با صداقت کار نیست | در یمش جز گوہرے تف دار نیست
خواب را خوشتر ز بیداری شمرد | آتش ما از نفسہایش فسرد
قلب مسموم از سرود بلبلش | خفتہ مارے زیر انبار گلش

از خم و مینا و جامش الحذر
از مئے آئینہ فامش الحذر

اسرار خودی

فنون لطیفہ کا انسانی زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اس لئے حضرت علامہ نے اپنے حقیقت افروز کلام میں شعرو شاعری کے حسن و قبح پر بصراحت اظہار خیال فرمایا ہے اور ان کے تمام گوشوں پر کما حقہ روشنی ڈالی ہے۔ فنون لطیفہ افراد کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشو و نما اور ارتقاء میں نہایت اہم رول ادا کرتے ہیں۔ ان کے ذریعے افراد قوم کی آرزوؤں اور امنگوں کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ قوم کی تمدنی اور تہذیبی کیفیات کو اجاگر کرتے ہیں۔

فنون لطیفہ قوم کے اخلاقی اور روحانی احوال کے آئینہ دار ہیں۔ حضرت علامہ نے شاعری پر خصوصی اظہار خیال کیا ہے۔

مندرجہ بالا اشعار میں علامہ نے شعرو شاعری کو موضوع سخن بنا کر اس کے حیات آفریں اور روح فرسا متضاد عناصر ترکیبی کی وضاحت شعر کے موضوع و مقصد کو پیش نظر رکھتے ہونے کی ہے۔

حضرت علامہ شعر و شاعری کی عظمت کے قائل ہیں۔ وہ خود اس دور کے بے مثل شاعر ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

شعر را مقصود اگر آدم گری است
شاعری ہم وارث پیغمبری است
فسیر امتاں را می کند پاک
حکیمے یا کلیمے نے نوازے
وہ شعر کہ پیغام حیات ابدی ہے
یا نغمہ جبریل ہے یا بانگ سرافیل

ان اشعار سے یہ بات بالکل صاف ہے کہ حضرت علامہ کے نزدیک وہ شاعری قابل قدر ہے جو حیات جاودانی اور انسانیت سازی کا پیغام دیتی ہے۔ اس کے برعکس گل و بلبل کی ہندی اور عجمی شاعری کو علامہ نے سخت تنقید اور مذمت کا نشانہ بنایا ہے جیسا کہ ذیل کے اشعار سے واضح ہے۔
علامہ فرماتے ہیں:۔

اے بسا شاعر کہ از سحر ہنر رہزن قلب اند ابلیس نظر
شاعر ہندی خدایش یار باد جان او بے لذت گفتار باد
عشق را خنیاگری آموختہ با خلیلاں آزری آموختہ

چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار
ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

حضرت علامہ نے گل و بلبل کی شاعری کو بنا برس ہدف تنقید بنایا ہے چونکہ اس طوفان رومانیت نے قوم کے اخلاق اور تہذیب و تمدن پر ضرر رساں تاثرات مرتب کئے ہیں اور قوم کی اجتماعی ہیئت اور افراد کی خودی کو مفلوج و مجروح کیا ہے اور یہ بات ہر ذی فہم پر روز روشن کی

طرح عیاں ہے کہ ملت اسلامیہ کی اخلاقی اور روحانی پستی اور انحطاط کی یہ عجمی شاعری کافی حد تک ذمہ دار ہے اور جب چنگ و رباب اور رقص و سرود کی محفلوں میں یہ رومانی شاعری نشر ہونے لگی تو اس کے منفر اور مسحور کن اثرات میں مزید شدت پیدا ہو گئی اور اس سے عشق بازی یا بوالہوسی کا مرض وبا کی صورت میں پھیل گیا جو قوم کے لئے بہت حد تک مہلک ثابت ہو رہا ہے۔ اس لئے علامہ نے اس شاعری کی شدت سے مذمت کی ہے اور شاعر حضرات کو اس کو ترک کرنے کی تلقین کی ہے۔

حضرت علامہ کے نزدیک جو شاعری، موسیقی اور دیگر فنون لطیفہ خودی کی نشوونما اور ارتقاء میں ممد و معاون نہیں ہوتے وہ قابل مذمت ہیں۔ اور جو فنون لطیفہ خودی کی حفاظت کر کے اور اس کو پروان چڑھا کر انسانی مقصد حیات کے حصول کے قریب لاتے ہیں وہ فنون ہر لحاظ سے قابل فخر و مباہات ہیں۔

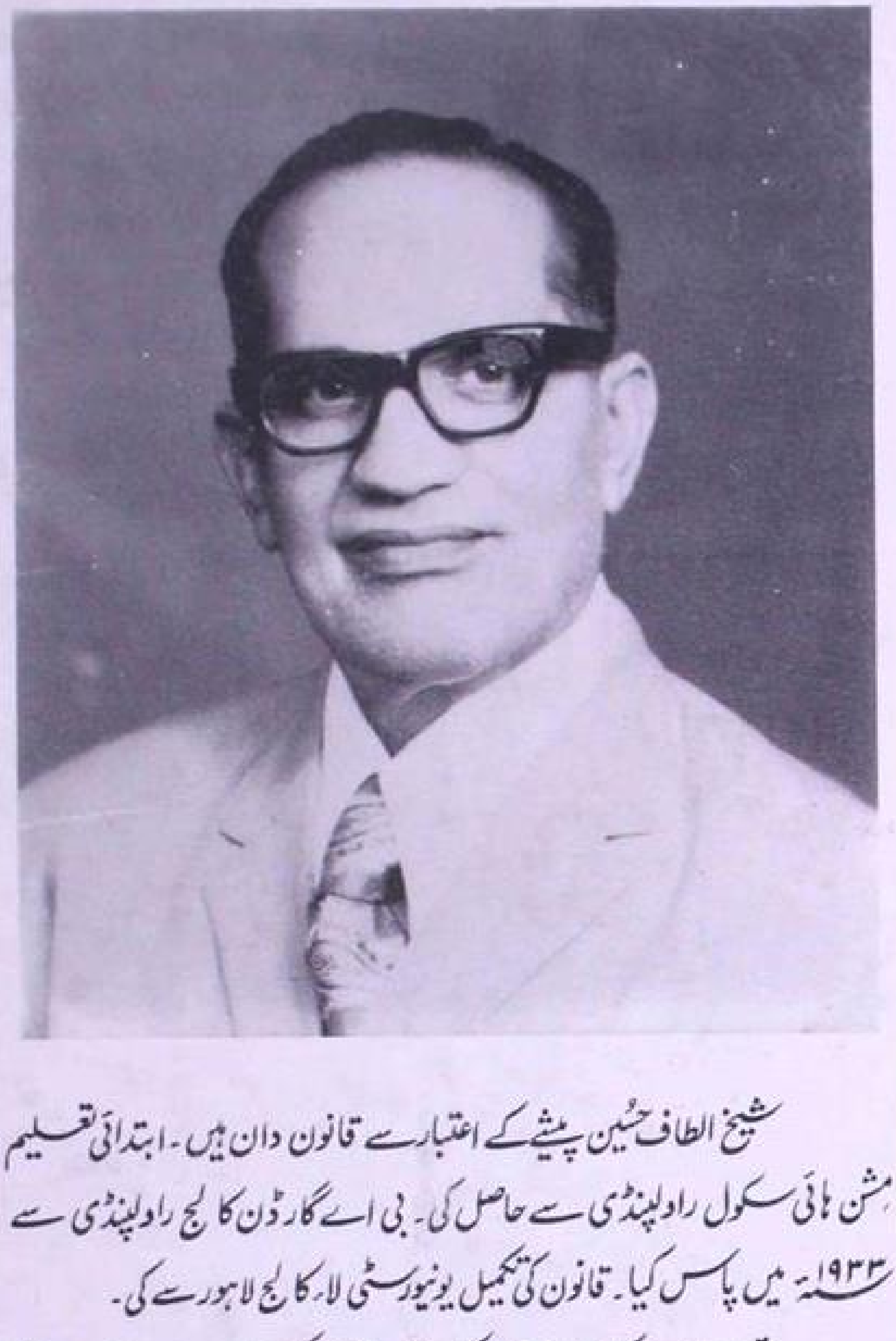

شیخ الطاف حسین پیشے کے اعتبار سے قانون دان ہیں۔ ابتدائی تعلیم مشن ہائی سکول راولپنڈی سے حاصل کی۔ بی اے گارڈن کالج راولپنڈی سے ۱۹۳۳ء میں پاس کیا۔ قانون کی تکمیل یونیورسٹی لاء کالج لاہور سے کی۔

قیامِ لاہور کے زمانے میں اکثر علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور انہیں اپنا روحانی پیشوا مانتے ہیں عمر بھر کلام اقبال کا مطالعہ آپ کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ انہوں نے عصرِ حاضر کے مسائل کو علامہ کے افکار کی روشنی میں پیش کیا ہے اور ہماری مشکلات کا واحد حل بھی یہی ہے۔